انعام القدیر فی مبحث التقدیر
المعروف بہ

اسلام کا فلسفۂ تقدیر

مصنف
مولانا نثار احمد عطاری المدنی
مدرس: جامعۃ المصطفیٰ الرضویہ
سرپرست اعلیٰ: ماہنامہ الرضویہ

ناشر
ادارہ فیضانِ اسلام

انعام القدیر فی مبحث التقدیر

المعروف به

اسلام کا فلسفہ تقدیر

مصنف

مولانا نثار احمد العطاری المدنی

ناشر وطابع

ادارہ فیضانِ اسلام

نام کتاب : اسلام کا فلسفہ تقدیر

مصنف : مولانا نثار احمد العطاری المدنی

پروف ریڈنگ : سیّد سکندر شاہ، مولانا عبدالرحمٰن، مولانا محمد شاف

برقی کتابت : الناصر پبلی کیشنز و مکتبہ نعیمیہ، کراچی

0300-2080345 - 0313-2716622

اشاعت اوّل :

صفحات :

ھدیہ :

ملنے کا پتا

مکتبہ الغنی، کراچی	مکتبہ الحماد، کراچی
مکتبہ غوثیہ، کراچی	مکتبہ نعیمیہ، کراچی

الاهداء

فخرِ موجودات، سرورِ کائنات، مقصودِ کائنات، مطلوبِ کائنات، مرکزِ کائنات، حامیِ بیکساں، والیِ دو جہاں، منبعِ جود و سخا، خطیب الامم، علم الھدیٰ، کاشف الکرب، رافع الرتب، شمسِ الضحٰی،بدر الدجٰی، صدر العلٰی، نور الھُدٰی، کھف الورٰی، مصباح الظلم، جمیلِ الشیم، شفیع الامم، صاحب الجود والکرم، سیّد المرسلین، خاتم النبیین، امام المتّقین، قائد الغرّالمحجّلین، شفیع المذنبین، انیس الغریبین، رحمة للعٰلمین، راحت العاشقین، مراد المشتاقین، شمسِ العارفین، سراج الساکین، مصباح المقربین ، محب الفقراء والغرباء والمساکین، سیّد الثقلین نبی الحرمین ، امام القبلتین ، وسیلتنا فی الدارین، صاحبِ قاب قوسین، محبوب ربّ المشرقین والمغربین، سیّدنا احمدِ مجتبٰی محمد مصطفٰی صلی اللہ علیہ وسلم.

انتساب

میں اپنی اس تصنیف کو اپنے پیرِ طریقت، رہبرِ شریعت، عاشقِ اعلیٰ حضرت، پیکرِ عشقِ مصطفیٰ، محافظِ عظمتِ صحابہ، محبّ ِاہلِ بیتِ مصطفیٰ حضرت علامہ مولانا **محمد الیاس عطار قادری رضوی** دام ظلہ العالی اور اپنے پیارے ابو جان)صوبہ خان اور اپنی پیاری امی جان اور اپنے مخلص محسن و مربّی جن کی کاوشوں سے آج میں اس مقام پہ پہنچا، جناب امجد حسین بن حاجی محمد فاروق صاحب کی طرف منسوب کرتا ہوں۔

فہرست مضامین

بابِ دوم: تقدیر پر کیے گئے اعتراضات کے جوابات

﴿باب اول﴾

﴿تقدیر کا تعارف اور اقسام﴾

تقدیر کی تعریف

لفظ تقدیر باب تفعیل کا مصدر ہے، مختلف صلات کے ساتھ اس کے مختلف لغوی معنی ہوتے ہیں، جب یہ لازم ہو اور ''علیٰ'' کے صلہ کے ساتھ استعمال ہو رہا ہو تو اس کے لغوی معنی ''کسی چیز پر قدرت رکھنے'' کے ہوتے ہیں۔

جب متعدی ہو اور علیٰ کے صلہ کے ساتھ استعمال ہو تو اُس وقت اس کے معنی ''کسی کو کسی پر قادر بنانے'' کے ہوتے ہیں۔

جب متعدی ہو اور ''با'' کے صلہ کے ساتھ استعمال ہو تو اُس صورت میں اس کے معنی ہوں گے ''اندازہ کرنا''۔

تقدیر کی اصطلاحی تعریف ہے:

اللہ تعالیٰ کو تمام کائنات کو پیدا کرنے سے پہلے اِس کا علم تھا، نیز کائنات میں پیدا ہونے والے ہر فرد کا بھی علم تھا کہ پیدا ہونے کے بعد اُس پر کیا زمانہ گزرے گا اور کون کون سی جگہ اُس کا ٹھکانا ہوگا اور کون کون سے افعال اچھے یا برے، اُس نے کرنے ہیں، ان تمام باتوں کا اللہ پاک کو علم تھا، اسی ''علم ہونے'' کو ''تقدیر'' کہا جاتا ہے۔

تقدیر کے لیے ''قدر'' بفتح کا لفظ بھی استعمال ہوتا ہے، جس کی جمع ''اقدار'' آتی ہے۔

جدید امثلہ سے تقدیر کی تعریف کی توضیح

(۱)......جس طرح ایک انجینئر ڈیم بنانے سے پہلے اُس کے تمام اجزا پر غور کرتا ہے، اُس کے میٹریل (Material) کی صلاحیت اور استعداد کا جائزہ لیتا ہے پھر اپنے

علم کے مطابق اس کا ایک نقشہ بناتا ہے۔ پھر اُس مٹیریل (Material) کی استعداد وصلاحیت سے اندازہ لگا کر اس کی کارکردگی و بقا کی عمر لکھتا ہے کہ یہ اتنے سال تک کارآمد ہے۔ بلاتشبیہ وتمثیل اسی طرح اللہ تعالی اپنے علم اَزلی کے مطابق اپنی تخلیق کردہ مخلوق کے حالات اُس کے وجود سے پہلے لکھ دیتا ہے، اسی کو تقدیر کہتے ہیں، لیکن انجینئر کا علم ظنّی ہے اور اللہ تعالیٰ کا علم قطعی، انجینئر کا پل کے بارے میں تخمینہ غلط ہوسکتا ہے، وہ پل اس مدّت سے زیادہ بھی چل سکتا ہے۔ اللہ پاک کا بندے کے بارے میں جو علم ہے وہ غلط نہیں ہوسکتا۔

(۲)......ڈاکٹر دوا بناتا ہے، پھر اُس میں موجود اجزائے ترکیبی کی صلاحیت سے اس کی کارکردگی اور عمر کی صلاحیت سے اندازہ لگا کر اس کی ایکسپائری ڈیٹ (Expire Date) لکھ دیتا ہے کہ یہ دوا اتنے عرصے بعد کام کی نہیں رہے گی، بلاتشبیہ وتمثیل اسی طرح اللہ پاک نے بھی اپنی مخلوق کی استعداد وصلاحیت کو اپنے علم ازلی سے جانتے ہوئے اس کی کارکردگی اور عمر لکھ دی ہے۔

(۳)......ڈاکٹر کو زہر کے اثرات کا علم ہوتا ہے کہ کون سا زہر کتنے وقت میں کیا نقصان کرسکتا ہے۔ ڈاکٹر کے سامنے کوئی شخص زہر پی لے تو ڈاکٹر اُس سے کہے گا کہ اب تو اس دنیا میں اتنے گھنٹوں کا مہمان ہے، اتنے گھنٹوں کے اندر تو مر جائے گا، اب واقعتاً ہی وہ اتنے ہی گھنٹوں میں مر جاتا ہے تو کوئی عقلمند یہ نہیں کہے گا کہ یہ بندہ ڈاکٹر کے اس کی موت کی بات کہنے کی وجہ سے مرا ہے، بلکہ ہر کوئی یہی کہے گا کہ زہر کے پینے کی وجہ سے مرا ہے۔ بلاتشبیہ وتمثیل، اسی طرح اللہ پاک نے اپنے علمِ اَزلی سے اپنی مخلوق کی تقدیر لکھی، تو اللہ پاک کے لیے بھی کوئی نہیں کہہ سکتا کہ اللہ تعالیٰ کے ایسا لکھنے کی وجہ سے ایسا ہوا۔

تنبیہ

اگر تقدیر کی تعریف اور امثلہ کو بہ نظر انصاف، درست طریقے سے سمجھ لیا جائے تو

نہ اُس پر ذہنوں میں اشکالات پیدا ہوں، اور نہ ان اعتراضات کے الگ سے جوابات دینے کی حاجت پڑے۔

اِس کے باوجود ہم آخر میں لبرل وسیکولر لوگوں کے اعتراضات کے جوابات دیں گے تاکہ جو لوگ امت کو محض شکوک وشبہات میں ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں، اُن کے جوابات کا ہمیں علم ہو اور ضرورت پڑنے پر ہم اُن کو جوابات دے سکیں۔

تقدیر کے مترادف الفاظ

تقدیر کے مترادف الفاظ ''قضاء''، ''حکم'' ہیں، جیسا کہ شیخ محقق امام عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ ''اشعۃ اللمعات'' میں لکھتے ہیں:

فی ''القاموس'' قدربتحریک قضاء وحکم وفی "النهایه" قدر آنچه قضاء نموده وحکم کرده الٰهی تعالٰی از امورو سکون نیز آمده ولیلیة القدرشبے که تقدیر نموده میشورد دروے ارزاق واعمار بندگان ودر "صراح" گفته: قدر بسکون و حرکت اندازه کرده خدایے بر بنده از حکم ازیں عبارت ظاهر شد که قضاء و قدر بیک معنٰی است.

یعنی: قاموس میں ہے: قدر (تقدیر) قاف ودال کی حرکت کے ساتھ، قضاوحکم کے معنیٰ میں ہے۔ نہایہ میں ہے: قدر ان امور کو کہتے ہیں جن کا اللہ تعالیٰ نے فیصلہ وحکم فرمادیا ہے۔ قدر دال کے سکون کے ساتھ بھی آیا ہے اور لیلۃ القدر وہ رات ہے جس میں لوگوں کے رزق اور عمروں کا اندازہ متعین کیا جاتا اور ان کے بارے میں فیصلہ کیا جاتا ہے۔ صراح میں ہے: قدر دال کے سکون وفتح دونوں کے ساتھ استعمال ہوتا ہے۔ جس کا معنیٰ ہے: بندے پر اللہ تعالیٰ کے حکم کا اندازہ۔ ان عبارات سے ظاہر ہوا

کہ قضاوقدر دونوں کا ایک ہی معنیٰ ہے۔انتہٰی۔

اور بعض علماء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے قضاوقدر کے درمیان کچھ فرق بھی کیا ہے۔

قضاءوقدر میں فرق

اللہ تعالیٰ نے اس دنیا میں انسان کے لئے اچھائی اور برائی تخلیق کرکے اسے اس میں سے کسی ایک کو منتخب کرنے اور اپنے عمل کے لئے مخصوص کر لینے کا اختیار یعنی قدرت عطا فرمائی ہے۔وہ چاہے تو نیکی کو اختیار کرے اور چاہے تو بدی کو اپنا وتیرہ بنا لے)اس اختیار کو''قدر'' سے تعبیر کرتے ہیں۔(۱)

اور قضا سے مراد وہ اصول اور وہ قوانینِ فطرت ہیں جن کے تحت یہ کارخانہ قدرت اپنے اپنے وقت پر اپنے مخصوص خصائص ومصالح کے ساتھ معرضِ تخلیق میں لایا گیا ہے اور جن کے تحت اس کائنات کے نظام کی بقا کو علت ومعلول،سبب اور مسبب نیز عمل وردِعمل کے نظام کے تحت منضبط کر دیا گیا ہے،اگر کوئی شخص نیکی کرے گا تو اس کے نتائج بھی نیک نکلیں گے اور برائی کے ثمرات بھی ویسے ہی برے ہوں گے۔انسان جو کچھ کرے گا اس کا بدلہ پائے گا۔جس مقصد کے لیے تگ ودو اور جدوجہد کرے گا، اس کے حصول میں کامیاب وکامران ہوگا۔اس تمام نظامِ قدرت کا نام''قضائے الٰہی'' ہے۔(۲)

تنبیہ

لیکن فرق والے معنیٰ کے اعتبار سے بھی یہ دونوں ایک دوسرے کی جگہ استعمال ہوتے رہتے ہیں۔

تقدیر کی تقسیم

تقدیر کی دو اعتبار سے تقسیم کی جاتی ہے۔

---

(۱)مافی الاسلام:604/1 (۲)مافی الاسلام:605/1

(۱) بندوں کے اس میں مختار ہونے، یا نہ ہونے کے اعتبار سے۔
(۲) تقدیر کے بدلنے کے امکان وعدم امکان کے اعتبار سے۔
پہلی تقسیم بندوں کے اس میں مختار ہونے یا نہ ہونے کے اعتبار سے ہے:
اس اعتبار سے اس کی دو اقسام ہیں:
۱۔ امورتکوینیہ ۲۔امورتشریعیہ

امورتکوینیہ

امام عبدالعزیز پرہاروی رحمہ اللہ اپنی مشہور زمانہ کتاب ''نبراس'' میں ''صفتِ تکوین'' کا معنیٰ لکھتے ہوئے فرماتے ہیں:

وھو المعنٰی الذی یعبر عنہ بالفعل والخلق و التخلیق والایجاد والاحداث والاختراع ونحو ذلک. (۱)

صفتِ تکوین سے جو چیزیں وجود میں آتی ہیں ان کو امورِ تکوینیہ کہتے ہیں۔
اس عبارت کے ''ماحصل'' کو آسان الفاظ میں بیان کریں تو معنیٰ یہ ہیں کہ امورتکوینیہ وہ چیزیں کہلاتی ہیں جو اللہ تعالیٰ کے حکم ''کن'' سے وجود میں آتی ہیں۔(۲)
اس میں انسان مختار نہیں ہوتا، اس میں انسان کی مشیت وارادہ کا دخل نہیں ہوتا، جیسے پیدائش اور موت، مصیبت اور راحت، صحت اور بیماری، غربت اور امارت، بارشوں کا ہونا، آندھیوں کا چلنا، دریاؤں میں سیلاب اور سمندروں میں طوفان کا اٹھنا، سورج کا طلوع اور غروب ہونا، ان سب چیزوں کا تعلّق ''امورِتکوینیہ'' سے ہے جن میں انسان کو اختیار نہیں ہے اور ان امور کے بارے میں انسان سے پرسش بھی نہیں ہوگی۔ قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ نے مختلف مقامات پر اس بات کو واضح فرمایا ہے۔ میں یہاں

---

(۱) النبراس شرح العقائد النسفیہ :244 (۲) مقالات سعیدی:256

سرِ دست چند آیات نقل کر دیتا ہوں۔

هُوَالَّذِیْ خَلَقَکُمْ مِّنْ طِیْنٍ ثُمَّ قَضٰٓی اَجَلًا.

(سورۃ انعام 2)

ترجمہ کنز الایمان: وہی ہے جس نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا، پھر ایک مقررہ اس کے یہاں ہے۔

(۲) وَمَاکَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تَمُوْتَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ کِتٰبًا مُّؤَجَّلًا.

(آلِ عمران:145)

ترجمہ کنز الایمان: اور کوئی جان بے حکم خدا مر نہیں سکتی، سب کا وقت لکھا رکھا ہے۔

(3) اَیْنَ مَا تَکُوْنُوْا یُدْرِکْکُّمُ الْمَوْتُ وَ لَوْ کُنْتُمْ فِیْ بُرُوْجٍ مُّشَیَّدَةٍ.

(النساء:78)

ترجمہء کنز الایمان: تم جہاں کہیں ہو موت تمہیں آ لیگی اگر چہ مضبوط قلعوں میں ہو۔

(4) اَوَ لَمْ یَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَآءُ وَ یَقْدِرُ.

(الزمر:52)

ترجمہء کنز الایمان: کیا انہیں معلوم نہیں کہ اللہ روزی کشادہ کرتا ہے جس کیلئے چاہے اور تنگ فرماتا ہے۔

(5) وَ هُوَ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجْنَا بِهٖ نَبَاتَ کُلِّ شَیْءٍ فَاَخْرَجْنَا مِنْهُ خَضِرًا نُّخْرِجُ مِنْهُ حَبًّا مُّتَرَاکِبًا.

(انعام:99)

ترجمۂ کنز الایمان: ''اور وہی ہے جس نے آسمان سے پانی اتارا تو ہم نے اس سے ہر اگنے والی چیز نکالی تو ہم نے اس سے نکالی سبزی جس میں سے دانے نکالتے ہیں ایک دوسرے پر چڑھے ہوئے۔

ان آیات میں انہیں ''امورِ تکوینیہ'' کا ذکر ہے جن میں انسان کے ارادے کا دخل نہیں ہے، اس حوالے سے دو احادیثِ کریمہ بھی ملاحظہ ہوں:

عن ابی سعید الخدریؓ رضی اللہ عنہ قال سئلنا عن رسول اللہ ﷺ (عن العزل) فقال: لا علیکم ان لا تفعلوا، ما کتب اللہ خلق نسمۃ ھی کائنۃ الٰی یوم القیامۃ الّا ستکون. (۱)

ترجمہ: سیّدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرمایا: ہم نے رسول اللہ ﷺ سے عزل کے بارے میں سوال کیا، تو آپ ﷺ نے فرمایا: تم پر اس سے بچنا ضروری نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قیامت تک جس جان کا پیدا ہونا لکھا ہے وہ ضرور پیدا ہو کر رہے گی۔

۲. عن ابی سلمۃ انّ ابا ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال: قلت یا رسول اللہ ﷺ انی رجل شاب، قد خشیت علٰی نفسی العنت ولا اجد طولا اتزوج الںساء افاختصی، فاعرض عنہ النبی ﷺ حتٰی قال ثلا ثا فقال النبی ﷺ: یا ابا ھریرۃ جف القلم بما انت لاق فاختص علٰی ذٰلک اودع. (۲)

ترجمہ: حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بتایا: میں نے رسول اللہ ﷺ کی مقدس بارگاہ میں عرض کی، یارسول اللہ ﷺ میں نوجوان آدمی ہوں، مجھے اپنے اوپر زنا کا خوف ہے اور نکاح کی طاقت بھی نہیں رکھتا، تو کیا میں خود کو خصی کر سکتا ہوں؟ تو رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے اعراض فرمایا، یہاں تک کہ میں نے تین بار یہ سوال عرض کیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے ابو ہریرہ! (تقدیر لکھنے والا) قلم خشک ہو چکا ہے، اس چیز کو لکھنے کے ساتھ جو تمہیں ملنا ہے، اب خود کو خصی کرو یا نا کرو

(۱) الصحیح المسلم: ص 540 (۲) سنن النسائی: ص 523

امورِ تشریعیہ

امورِ تشریعیہ سے مراد احکام شریعت ہیں۔آسان الفاظ میں کہیں تو امورِ تشریعیہ وہ امور ہیں جن کی بجا آوری کا اللہ تعالیٰ نے انسان کو مکلّف کیا ہے۔

ان امور میں انسان کے ارادے اور مشیت کا دخل ہوتا ہے اور انسان اپنے ارادے سے اس کام کو سرانجام دیتا ہے چاہے وہ اچھا کام ہو یا برا۔ہاں اتنا ضرور ہے کہ جس طرح وہ خود اللہ پاک کا خلق کردہ ہے اسی طرح اچھائی یا برائی کرنے کی طاقت جو کہ اس کا ایک جز ہے وہ بھی اللہ پاک کا پیدا کردہ ہے، باقی اپنے اعمال کا ''کاسب'' وہ خود ہے۔اس کو ایک اور مثال سے سمجھیں کہ:

زمین اللہ پاک کی بنائی ہوئی ہے بیج اُسی کا پیدا کردہ ہے۔اس بیج کو زمین میں بونے کے لئے ہاتھ، پاؤں وغیرہ طاقت اللہ ہی کی عطا کردہ ہے، انسان اللہ پاک کی دی ہوئی طاقت سے زمین میں بیج بوتا ہے، پھر فصل تیار کرنے کے تمام مراحل اللہ پاک کے دیے ہوئے ہاتھ پاؤں وغیرہ سے طے کرتا ہے آخر میں فصل بھی اسی خالق و مالک کی عطا کردہ طاقت سے کاٹتا ہے، اپنا کسب تمام کر کے اس کا نتیجہ کھاتا ہے، ساتھ میں لوگ اس کی تعریف بھی کرتے ہیں۔دیا ہوا سب کچھ اللہ عزّ وجلّ کا تھا'' انسان نے (اس کی دی ہوئی توفیق سے) فقط ''کسب کیا، دنیا میں جزا بھی پائی اور اس کی تعریف بھی ہوئی فقط کسب کے سبب اور طاقت وقوت سب کچھ دینے کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کا احسانِ عظیم یہ کہ اگر حلال ذرائع سے، رزقِ حلال کے حصول کی نیت تھی تو اس پر اجرِ عظیم بھی عطا فرماتا ہے۔

بلاتشبیہ و تمثیل، اسی طرح اعمال کا معاملہ ہے کہ اللہ پاک نے خیر وشر دونوں کو پیدا کیا، پھر اس کے اندر بھی دو قوتیں رکھیں۔ایک وہ قوت ہے جو خیر پر ابھارتی ہے، دوسری وہ قوت ہے جو شر پر اُبھارتی ہے۔اس کے بعد اس کو عقل بھی عطا فرمائی تا کہ خیر

وشر کے دواعی کے درمیان اپنی درست راہ منتخب کرے۔ پھر اس کا یہ احسان کہ اس کو فقط عقل کے سہارے پر نہ چھوڑا، کیوں کہ لاکھوں باتیں ہیں جن کا عقل ادراک نہیں کر سکتی اور خطا کا احتمال ان میں ہر وقت موجود رہتا ہے بلکہ ہدایت کی طرف اس کی رہنمائی کے لئے رسل وانبیاء کرام کو مبعوث فرمایا، یہ سب کچھ کرنے کے بعد اب اگر انسان خیر کا ارادہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس میں اس کے ارادے کے مطابق خیر کی قوت پیدا فرما دیتا ہے۔ اس صورت میں اللہ پاک کے اس میں خیر کی قوت پیدا کرنے کے ساتھ ساتھ اس کا ارادہ بھی اس میں شامل ہوتا ہے کیونکہ اس کے نہ چاہے سے کوئی چیز بھی حرکت ہی نہیں کر سکتی اور خیر کے ارادے کی صورت میں اس کی رضا بھی اس کے شاملِ حال ہوتی ہے۔

اور اگر انسان خود اپنے اختیار سے شر کا ارادہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس میں اس کے ارادے کے مطابق شر کی قوت پیدا فرما دیتا ہے اور اس صورت میں اللہ پاک کی اس میں شر کی قوت پیدا فرمانے کے ساتھ رضا شاملِ حال نہیں ہوتی بلکہ ناراضی شاملِ حال ہوتی ہے۔

امامِ اہلِ سنّت مجدّ دِ دین وملّت پروانہ شمعِ رسالت الشّاہ امام احمد رضا خان فاضلِ بریلوی رحمہ اللہ نے اس بات کو بڑے انوکھے انداز وانوکھی مثال سے سمجھایا ہے۔ ہم اس کو اس مقام پر نقل کیے دیتے ہیں تاکہ اس کو درست طریقے سے سمجھا جا سکے۔

شہنشاہِ بریلی کی پیش کردہ مثال مع توضیح

چنانچہ امام اپنے رسالہ ''ثلج الصّدر بایمانِ القدر'' میں لکھتے ہیں:

دو پیالوں میں شہد اور زہر ہیں اور دونوں خدا ہی کے بنائے ہوئے ہیں، شہد میں شفاء اور زہر میں ہلاک کرنے کا اثر بھی اُسی نے رکھا ہے۔ روشن دماغ حکموں کو بھیج

کر بتا بھی دیا ہے، کہ دیکھو یہ شہد ہے اس کے یہ فوائد ہیں اور خبردار یہ زہر ہے اس کے پینے سے ہلاک ہو جاتا ہے۔ ان ناصح اور خیر خواہ حکمائے کرام کی یہ مبارک آوازیں تمام جہان میں گونجیں اور ایک ایک شخص کے کان میں پہنچیں۔ اس پر کچھ نے شہد کی پیالی اٹھا کر پی اور کچھ نے زہر کی۔ اُن اٹھانے والوں کے ہاتھ بھی خدا ہی کے بنائے ہوئے تھے اور ان میں پیالہ اٹھانے، منہ تک لے جانے کی قوت بھی اسی کی رکھی ہوئی تھی۔ منہ اور حلق میں کسی چیز کو جذب کر کے اندر لینے کی قوت اور خود منہ اور حلق اور معدہ وغیرہ سب اُس کی مخلوق تھے، اب شہد پینے والوں کے جوف میں شہد پہنچا، کیا وہ آپ اُس کا نفع پیدا کرلیں گے؟ یا شہد بذات خود خالق نفع ہو جائے گا؟ حاشا ہرگز نہیں بلکہ اس کا اثر پیدا ہونا یہ بھی اسی کے دستِ قدرت میں ہے اور ہوگا تو اسی کے ارادہ سے ہوگا، وہ نہ چاہے تو منوں شہد پی جائے کچھ فائدہ نہیں ہوسکتا، بلکہ وہ چاہے تو شہد زہر کا اثر دے، یونہی زہر والوں کے پیٹ میں زہر جا کر، کیا وہ آپ ضرر کی تخلیق کرلیں گے، یا زہر خود بخود خالق ضرر ہو جائے گا، حاشا ہرگز نہیں بلکہ اس کا اثر پیدا ہونا یہ بھی اسی کے قبضہ قدرت میں ہے اور ہوگا تو اسی کے ارادے سے ہوگا، بلکہ وہ چاہے تو زہر شہد ہو کر لگے ، با ایں ہمہ شہد پینے والے ضرور قابلِ تحسین و آفرین ہیں کہ ہر عاقل یہی کہے گا کہ انھوں نے اچھا کیا، ایسا ہی کرنا چاہیے اور زہر پینے والے ضرور لائق سزا و نفریں ہیں کہ ہر ذی ہوش یہی کہے گا کہ یہ بدبخت خودکشی کے مجرم ہیں۔

دیکھو اوّل سے آخر تک جو کچھ ہوا، سب اللہ ہی کے ارادے سے ہوا اور جتنے آلات اس کام میں لئے گئے سب اللہ ہی کی مخلوق تھے اور اُسی کے حکم سے اُنھوں نے کام دیے، جو تمام عقلاء کے نزدیک ایک فریق کی تعریف ہے اور دوسرے کی مذمت، تمام کچہریاں جو عقل سے حصہ رکھتی ہوں ان زہر نوشوں کو مجرم بنائیں گی؟ پھر کیوں بناتی ہیں، نہ زہر ان کا پیدا کیا ہوا، نہ زہر میں قوتِ اہلاک اُن کی رکھی ہوئی، نہ ہاتھ اُن کا پیدا کیا ہوا، نہ اُس کے بڑھانے اٹھانے کی قوت ان کی رکھی ہوئی، نہ دہن و حلق ان کے

پیدا کئے ہوئے، نہ ان میں، جذب و کشش کی قوت ان کی رکھی ہوئی، نہ حلق سے اتر جانا ان کے ارادے سے ممکن تھا، آدمی پانی پیتا ہے اور چاہتا ہے کہ حلق سے اترے مگر اچھو ہو کر نکل جاتا ہے اس کا چاہا نہیں چلتا۔ جب تک وہی نہ چاہے جو صاحب سارے جہاں کا ہے۔

اب حلق سے اترنے کے بعد تو ظاہری نگاہوں میں بھی پینے والے کا اپنا کوئی کام نہیں، خون میں اُس کا ملنا اور خون کا اُسے لے کر دورہ کرنا اور دورہ میں قلب تک پہنچنا اور وہاں جا کر اسے فاسد کر دینا یہ کوئی فعل نہ اس کے ارادے سے ہے، نہ اس کی طاقت سے بہتیرے زہر پی کر نادم ہوتے ہیں، پھر ہزار کوشش کرتے ہیں جو ہونی ہے ہو کر رہتی ہے۔ اگر اس کے ارادہ سے ضرر ہوتا تو اس ارادہ سے باز آتے ہی زہر باطل ہو جانا لازم تھا، مگر نہیں ہوتا تو معلوم ہوا کہ اس کا ارادہ بے اثر ہے پھر اس سے کیوں باز پرس ہوتی ہے؟ ہاں، باز پرس کی وہی وجہ ہے کہ شہد اور زہر اسے بتا دیے گئے تھے، عالی قدر حکمائے عظام کی معرفت سے نفع نقصان جتا دیے گئے تھے، دست و دہن و حلق اُس کے قابو میں کر دیے گئے تھے، دیکھنے کو آنکھ، سمجھنے کو عقل اسے دے دی تھی، یہی ہاتھ جس سے اس نے زہر کی پیالی اٹھا کر پی، جامِ شہد کی طرف بڑھاتا اللہ تعالیٰ اسی کا اٹھنا پیدا کر دیتا، یہاں تک کہ سب کام اوّل تا آخر اسی کی خلق و مشیت سے واقع ہو کر اس کے نفع کے موجب ہوتے مگر اس نے ایسا نہ کیا بلکہ کاسہ زہر کی طرف ہاتھ بڑھایا اور اس کے پینے کا عزم لایا۔ وہ غنی بے نیاز دونوں جہاں سے بے پروا ہے، وہاں تو عادت جاری ہو رہی ہے کہ یہ قصد کرے اور وہ خلق فرمادے، اس نے اسی کاسہ کا اٹھنا اور حلق سے اترنا دل تک پہنچنا وغیرہ وغیرہ پیدا فرما دیا، پھر یہ کیونکر بے جرم قرار پا سکتا ہے۔ انسان میں یہ قصد و ارادہ و اختیار ہونا ایسا واضح و روشن و بدیہی امر ہے جس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا مگر مجنون، ہر شخص سمجھتا ہے کہ مجھ میں اور پتھر میں ضرور فرق ہے۔ ہر شخص جانتا ہے کہ انسان کے چلنے پھرنے، کھانے پینے، اٹھنے بیٹھنے وغیرہ وغیرہ افعال

کے حرکات ارادی ہیں۔ ہر شخص آ گاہ ہے کہ انسان کا کام کرنے کے لئے ہاتھ کو حرکت دینا اور وہ جنبش جو ہاتھ کو رعشہ سے ہو، اُن میں صریح فرق ہے۔ ہر شخص واقف ہے کہ جب وہ اوپر کی جانب جست کرتا ہے اور اس کی طاقت ختم ہو جاتی ہے تو وہ زمین پر آ گرتا ہے، ان دونوں حرکتوں میں تفرقہ ہے۔ اوپر کودنا اپنے اختیار و ارادہ سے تھا، اگر نہ چاہتا نہ کودتا اور یہ حرکت تمام ہو کر اب زمین پر آنا اپنے ارادے و اختیار سے نہیں، ولہٰذا اگر رکنا چاہے تو نہیں رک سکتا، بس یہی ارادہ، یہی اختیار جو ہر شخص اپنے نفس میں دیکھ رہا ہے عقل کے ساتھ اس کا پایا جانا، یہی مدار امر و نہی و جزا و سزا و عقاب و پرسش وحساب ہے، اگرچہ بلا شبہ بلا ریب قطعاً یقیناً یہ ارادہ و اختیار بھی اللہ عزوجل ہی کا پیدا کیا ہوا ہے، جیسے انسان خود بھی اسی کا بنایا ہوا ہے۔ آدمی جس طرح نہ آپ سے آپ بن سکتا تھا، نہ اپنے لئے آنکھ، کان، ہاتھ، پاؤں، زبان وغیرہ بنا سکتا تھا، یونہی اپنے لئے طاقت، قوت، ارادہ و اختیار بھی نہیں بنا سکتا تھا، سب کچھ اُس نے دیا اور اُسی نے بنایا، مگر اس سے یہ سمجھ لینا کہ جب ہمارا ارادہ و اختیار بھی خدا ہی کی مخلوق ہے تو پھر ہم پتھر ہو گئے، قابلِ سزا و جزا و باز پرس نہ رہے، کیسی سخت جہالت ہے۔

صاحبو! تم میں خدا نے کیا پیدا کیا؟ ارادہ و اختیار، تو ان کے پیدا ہونے سے تم صاحبِ ارادہ، صاحبِ اختیار ہوئے یا مضطر، مجبور، ناچار، صاحبو! تمھاری اور پتھر کی حرکت میں فرق کیا تھا، یہ کہ وہ ارادہ و اختیار نہیں رکھتا اور تم میں اللہ تعالیٰ نے یہ صفت پیدا کی۔ عجب عجب کہ وہی صفت جس کے پیدا ہونے نے تمھاری حرکات کو پتھر کی حرکات سے ممتاز کر دیا، اسی کی پیدائش کو اپنے پتھر ہو جانے کا سبب سمجھو، یہ کیسی الٹی مت ہے؟ اللہ تعالیٰ نے ہماری آنکھیں پیدا کیں، ان میں نور خلق کیا، اس سے ہم انکھیارے ہوئے، نہ کہ معاذ اللہ اندھے۔ یونہی اس نے ہم میں ارادہ و اختیار پیدا کیا، اس سے ہم اس کی عطا کے لائق مختار ہوئے، نہ کہ الٹے مجبور۔

ہاں! یہ ضرور ہے کہ جب وقتاً فوقتاً ہر فرد میں اختیار بھی اُسی کی خلق، اسی کی

عطا ہے، ہماری اپنی ذات سے نہیں کہ تو مختار کردہ ہوئے، خود مختار نہ ہوئے، پھر اس میں کیا حرج ہے؟ بندے کی شان ہی نہیں کہ خود مختار ہو سکے، نہ جزا وسزا کے لئے خود مختار ہونا ہی ضرور۔ ایک نوع اختیار چاہیے، کس طرح ہو، وہ بداہۃً حاصل ہے۔

آدمی انصاف سے کام لے تو اسی قدر تقریر ومثال کافی ہے، شہد کی پیالی اطاعت الٰہی ہے اور زہر کا کاسہ اُس کی نافرمانی اور وہ عالی شان حکماء انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اور ہدایت اس شہد سے نفع پانا ہے کہ اللہ ہی کے ارادے سے ہوگا اور ضلالت اس زہر کا ضرر پہنچنا کہ یہ بھی اسی کے ارادے سے ہوگا مگر اطاعت والے تعریف کئے جائیں گے اور تمرد (سرکشی) والے مذموم وملزم ہوکر سزا پائیں گے، پھر بھی جب تک ایمان باقی ہے۔

يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ. (جسے چاہے بخش دیتا) باقی ہے۔ (القرآن الکریم)

والحمد لله رب العٰلمن، له الحکم والیه ترجعون. (۱)

ایک شبہ اور اس کا زالہ:

شبہ: جب افعالِ عباد کا خالق اللہ تعالیٰ ہے اور رب تعالیٰ کا ارادہ بھی شامل ہوتا ہے چاہے اچھا عمل کرے یا برا تو انسان سے مواخذہ کیوں ہوتا ہے؟

اس شبہ کا ازالہ: اگرچہ ہر انسانی عمل تخلیق کے اعتبار سے تو مخلوقِ خدا ہے، صدور وظہور کے اعتبار سے ہر عمل انسان کا کسب ہے اور کسب وارتکاب چونکہ آزادانہ ہے، اس لئے وہی اپنے عمل کا ذمہ دار ہوگا۔

جزا وسزا کا تعلق کسب سے ہے، نہ کہ خلق سے

یہ بات بالکل بدیہی ہے کہ جزا وسزا کا تعلق کسب سے ہوتا ہے نہ کہ خلق سے۔

(۱) ثلج الصدر بایمان القدر: ص 8-5

کیا دنیا میں کوئی ایسی عدالت ہے کہ جو کسی قتلِ انسانی پر سزا قتل کو نہیں بلکہ بندوق بنانے والے شخص کو دیتی ہو؟ روئے زمین پہ کوئی ایسی عدالت نہیں ہے اور اگر کوئی عدالت ایسا کرے گی تو دنیا کے تمام عقلمند حضرات یقیناً اس عدالت کو بے وقوف سمجھیں گے۔

دنیا میں لاکھوں افراد جہاز کے گرنے کے سبب مر چکے ہیں کیا کوئی ایسی عدالت ہے جس نے جہاز بنانے والوں کو سزا دی ہو؟ کوئی عدالت ایسی نہیں۔ سوائے یہ کہ بنانے والے نے بنانے میں خیانت کی ہو اور خیانت بھی ''کسب'' ہے مدّعی ہمارا پھر بھی ثابت ہے۔

دنیا میں ہزاروں افراد زہر کھا کر مر چکے ہیں، آج تک کسی عدالت نے زہر بنانے والے کو زہر بنانے کی وجہ سے سزا دی ہے؟ ہر گز نہیں۔

جب اِن دُنیاوی معاملات میں کوئی بھی عقلمند کسی کے خلق **بتعليم الله اياه** کی وجہ سے کسی کو سزا نہیں دے رہا بلکہ عاقل شخص ''کسب کرنے والے'' کو کسب کی بناء پر سزاوار قرار دے رہا ہے تو پھر جب ذاتِ خداوند کی طرف سے کسی کسب پر سزا و جزا کا معاملہ آتا ہے تو ملحدین میں چیخ و پکار کیوں مچ جاتی ہے۔ پتا چلا کہ یہ چیخ و پکار فقط عناد و سرکشی اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے ہے ورنہ بدیہی سے انکار فقط مجنون ہی کرتا ہے۔

شبہ کے دوسرے جز کا جواب

شبہ کا دوسرا جز یہ تھا کہ انسان کے فعل کے وجود میں ارادۂ الٰہی بھی شامل ہوتا ہے اور بغیر ارادۂ الٰہی وہ فعل وجود میں نہیں آ سکتا تو جب سارا مدار ارادۂ الٰہی پر ہے کہ وہ نہ ہو تو فعل کا وجود نہ ہو تو انسان سزا و جزا کا مستحق کیوں؟ اِس کا جواب یہ ہے کہ انسان کے فعل کے وجود میں آنے تک چھ مرحلے ہوتے ہیں انسان جب ان چھ مرحلوں سے گزر جاتا ہے تو فعل وجود میں آتا ہے اور وہ چھ مرحلے درج ذیل ہیں:

1) خواہش کا مرحلہ

سب سے پہلے انسان کے دل میں کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کی خواہش پیدا ہوتی ہے۔ یہاں یہ امر پیشِ نظر رہے کہ یہ خواہش کا احساس صرف شعوری اور اختیاری اعمال سے متعلق ہوتا ہے۔ جو اعمال غیر شعوری اور غیر اختیاری طور پر صادر ہوتے ہیں اور جن کو اضطراری اعمال کہا جاتا ہے اُن کا ان مراحل سے کوئی تعلق نہیں اور نہ ہی ایسے افعال پر گرفت ہوتی ہے۔ عملاً اس کی مثال یوں ہے کہ:

اگر کوئی شخص آپ کی آنکھ میں سوئی چبھونا چاہے اور اس کے خوف سے آپ کی پلکیں اضطراری طور پر حرکت کر کے بند ہو جائیں تو یہ اضطراری فعل ہے اور اس پر کوئی گرفت نہیں ہے، لیکن اگر یہی پلکیں بد نیتی سے حرکت کریں تو یہ ارادی و اختیاری فعل ہے اس پر مواخذہ ہوگا، تو پہلا مرحلہ ہے ذہنی خواہش کا۔

2) غور و خوض کا مرحلہ:

خواہش کے بعد غور و خوض کا مرحلہ شروع ہوتا ہے۔ ذہن دونوں چیزوں کے ممکنہ نتائج یعنی فوائد و نقصانات کا جائزہ لیتا ہے، وہ خدائی حکم پہ بھی نظر ڈالتا ہے اور دنیوی منافع کو بھی دیکھتا ہے۔ اس طرح فعل کا ذہنی وجود کشمکش کے ابتدائی مرحلے سے گزر کر غور و خوض کے مرحلے میں داخل ہو جاتا ہے۔ خواہش اور غور و خوض کے دونوں مرحلوں پر انسانی ذہن کسی قسم کی مجبوری اور پابندی کا شکار نہیں ہوتا۔ یہ دونوں عمل ذہن اور شعوری کی سطح پر آزادانہ طریقے پر واقع ہوتے ہیں۔

3) انتخابِ نیت کا مرحلہ

غور و خوض کے بعد اگلا مرحلہ ذہنی فیصلے کا ہوتا ہے۔ یہاں پہنچ کر انسان دو راستوں میں سے کسی ایک کا انتخاب کرتا ہے اور پوری سوچ بچار کے بعد اسے یہ فیصلہ

کرنا ہوتا ہے کہ وہ اچھائی کا مرتکب ہو یا برائی کا، حکمِ الٰہی کی پیروی کرے یا خواہشِ نفس کی، اس مرحلے کو ''انتخابِ نیت'' کہتے ہیں۔

یہاں تک انسان اپنے ذہنی عمل کے درجات سے گزرتا ہے۔ یہ جتنے مراحل گزرے اس میں انسان کو کسی قوت نے اس عمل پر مجبور کیا؟ ہرگز نہیں، بلکہ یہ اس کا خالصتاً ذہنی و قلبی معاملہ تھا۔

4) عزم وارادے کا مرحلہ

انتخابِ نیت کے بعد انسان اپنی نیت کو حقیقت اور واقعہ بنانے اور اُسے عملی جامہ پہنانے کے لئے ذہنی طور پر کمر بستہ ہو جاتا ہے، اِس مرحلے کو ''عزم وارادہ'' سے موسوم کیا جاتا ہے۔

نیت اور عزم وارادہ میں فرق

یہاں یہ فرق پیشِ نظر رہے کہ نیت ذہنی سطح پر کسی چیز کو منتخب کرنے کو کہتے ہیں اور عزم وارادہ اس نیت کی تکمیل پر کمر بستہ ہونے کو کہتے ہیں۔

5) تعمیل کا مرحلہ

عزم کے بعد تعمیل کا مرحلہ آتا ہے جہاں پہنچ کر انسان عملی قدم اٹھاتا ہے۔ دیکھیں انسان نے پانچ مراحل خود طے کیے بغیر کسی دباؤ اور مجبوری کے۔

اب جب اس نے خواہش وغور وخوض وانتخابِ نیت وعزم اور تعمیل تک پانچوں مرحلوں کا سفر خود بغیر کسی مجبوری کے کیا ہے، اب اللہ پاک اگر تعمیل کے مرحلے میں اس انسان کے اندر اس کے ارادے کے موافق اس فعل کے کرنے کی قوت پیدا فرما دیتا ہے تو کیا انسان کے پانچوں مراحل کا خود سفر کرنا بیکار و رائیگاں جائے گا؟

کیا اس کے تمام مراحل کو بھول فقط ارادۂ الٰہی کو نعوذ باللہ اس فعل کے ارتکاب

کا ذمہ دار ٹھہرایا جائے گا اور انسان کو بری الذمہ قرار دیا جائے گا؟ یہ کتنی بڑی ناانصافی ہے، اور بالفرض اگر ان پانچوں مرحلوں کے سفر کے بعد اللہ پاک انسان کے اندر قوتِ تعمیل پیدا نہ فرماتا تو یہی ملحدین یہ غوغا کرتے پھرتے کہ دیکھو جی انسان تو مجبورِ محض ہے پھر اس سے حساب و کتاب کیسا؟ معلوم ہوا کہ یہ سب چکر عناد و سرکشی کی وجہ سے ہے۔

6) نتیجہ عمل کا مرحلہ

جب یہ پانچ مرحلے طے ہو جاتے ہیں تو اب اس عمل کے نتیجے کا مرحلہ آتا ہے، مثلاً کسی کے قتل کے چار مراحل طے کر کے پانچویں مرحلے تعمیل تک آ کر عزم کی تعمیل کرتے ہوئے حملہ کیا تو یہ چھٹا مرحلہ ہے، اس حملے کے نتیجے میں اس کا قتل ہو جانا۔ یہ بھی ارادۂ الٰہی سے وجود میں آتا ہے۔

اس بات کو سب مانتے ہیں جب عمل مکمل ہو گیا تو اس کا نتیجہ آنا چاہیے، جیسا کہ مزدور کے عمل مکمل کرنے پر اس کی اجرت ملنی چاہیے کوئی اجرت نہیں دے گا تو ظالم قرار پائے گا وغیرہ، امثلہ کثیرہ موجود ہیں۔

ان تمام مراحل میں کون سی ایسی چیز ہے جس کو دنیوی لحاظ سے کوئی عاقل جھٹلاتا ہو؟ سوائے یہ کہ جب رب العٰلمین کی بات آتی ہے تو ملحدین واویلا مچانے لگ جاتے ہیں، یہ سوائے سرکشی و عنادِ محض کے اور کچھ نہیں۔

دوسری تقسیم

تقدیر کے بدلنے یا نہ بدلنے کے اعتبار سے ہے۔ اس اعتبار سے اس کی تین اقسام ہیں:

(۱) تقدیر مبرم (۲) تقدیرِ معلق (۳) تقدیر معلق شبہ بمبرم

تقدیرِ مبرم کی تعریف

یہ وہ تقدیر ہے جو اٹل و محکم ہے اس میں تبدیلی محال ہے، کیونکہ تقدیرِ مبرم اللہ

پاک کا علم اَزَلی ہے اور اللہ تعالیٰ کے علم میں تبدیلی جہل کو مستلزم ہے، نہ اس کا علم بدل سکتا ہے نہ تقدیرِ مبرم بدل سکتی ہے۔

تقدیرِ معلق کی تعریف

تقدیرِ معلق اس تقدیر کو کہتے ہیں جو لوح محفوظ میں لکھی ہوئی ہے اور یہ مختلف نیک اعمال یا تعویذ و دعا وغیرہ سے ٹل سکتی ہے۔ مثلاً: لوحِ محفوظ میں لکھا ہوا ہے کہ فلاں شخص سعید ہے یا شقی ہے، یا فلاں کی عمر اتنی ہے پھر اگر وہ دُعا یا نیک عمل کرے گا تو اس کی شقاوت سعادت میں بدل جائے گی، اس کی عمر میں اضافہ ہو جائے گا وغیرہ، اس کو محو و اثبات سے تعبیر کیا جاتا ہے، لیکن اللہ پاک کے علم ازلی میں یہ مقرر ہوتا ہے کہ بالآخر وہ شقی ہوگا یا سعید، اس کی عمر بڑھے گی یا نہیں، وغیرہ وغیرہ

تقدیرِ معلق شبہ بمبرم کی تعریف

تقدیرِ معلّق شبہ بمبرم کی تعریف یہ ہے کہ جو لوحِ محفوظ میں نہ لکھی ہو، ملائکہ کرام کو بھی اس کا علم نہ ہو، وہ فقط علمِ الٰہی میں ہو لیکن اللہ تعالیٰ کے ارادہ میں ہے کہ اس کو میں اپنے فلاں محبوب بندے کی دعا سے بدل دوں گا۔ یہ چونکہ لوحِ محفوظ میں لکھے نہ ہونے میں مبرم کے مشابہ ہے، اس اعتبار سے اس کو شبہ بمبرم کہتے ہیں اور بدلنے میں چونکہ معلق کے مشابہ ہے اس لئے اس کو تقدیرِ شبہ بمعلق بھی کہتے ہیں اور اسی تقدیر کو مبرمِ مجازی بھی کہتے ہیں

رئیس المتکلّمین مفتی نقی علی خان اور امام احمد رضا کی بے مثال تحقیق

رئیس المتکلّمین علاّمہ مولانا، مفتی نقی علی خان رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ''احسن الوعاء لآداب الدّعاء'' میں تقدیر کی ان اقسام کی تفصیل لکھی اور پھر امام احمد رضا رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کتاب کے اپنے حاشیے ''ذیل المدّعاء لاحسن الوعاء'' میں اس کی ایسی

تحقیق انیق وعمیق فرمائی کہ اہلِ علم اس کو پڑھ کر فرطِ مسرّت سے جھوم اٹھے۔ ہم اس بے نظیر تحقیق کو اس مقام پر رقم کرتے ہیں تاکہ تقدیر کی یہ اقسام ہمارے لئے روزِ روشن کی طرح واضح ہو جائیں۔

رئیس المتکلمین حضرت علامہ مولانا مفتی نقی علی خان رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

تحقیق اس مقام کی یہ ہے کہ قضا دو قسم ہے: مبرم کہ جفّ القلم بما ھو کائن (جس میں تبدیلی ممکن نہیں) اس کا بیان ہے اور معلق کہ (**وَ مَا یُعَمَّرُ مِنۡ مُّعَمَّرٍ وَّ لَا یُنۡقَصُ مِنۡ عُمُرِہٖۤ اِلَّا فِیۡ کِتٰبٍ اِنَّ ذٰلِکَ عَلَی اللّٰہِ یَسِیۡرٌ**) (فاطر:11) اس کا نشان ہے، مفسرین اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں: بعض اسباب سے عمر میں کمی، زیادتی ہوتی ہے اور وہ بھی لوحِ محفوظ میں لکھی ہے۔(۱)

پس قضا میں تغیّر قضا کے مطابق رواں ہے، مثلاً مقدر ہے کہ زید کی عمر ساٹھ (۶۰) برس ہوگی اور جو حج کرے گا، اسی (۸۰) برس زندہ رہے گا۔

تنبیہ

قال امام احمد رضا فی حاشیتہ: یہ قضا میں تغیّر نہیں مقضٰی بہ کا تغیّر ہے اور مقضیٰ کی بھی ذات بدلی نہ (کہ) اس کے مقضا ہونے کی حیثیت سے اس اعتبار سے جو نظر عامہ عباد میں ظاہر ہوتا ہے احادیث وکلماتِ علما نے ردّ وتغیّر فرمایا ہے، اس کا بیان عنقریب آتا ہے۔

سیّدنا غوثِ اعظم کے ایک قول کی توضیح وتقدیرِ شبہ بمبرم کا تعارف

پہلے یہ جانیے کہ یہاں بعض اشخاص کو قولِ حضور پرنور سیّدنا غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ میں کہ ''سب اولیا قضائے معلّق کو روکتے ہیں اور میں قضائے مبرم کو رد فرماتا

---

(۱) روح المعانی جلد 22 ص 479)

اقول: شاید ان صاحبوں کو حدیثِ ابی شیخ فی ''کتاب ثواب'' عن انس رضی اللہ عنہ نہ پہنچی کہ حضورِ اقدس ﷺ فرماتے ہیں: (اکثر من الدعاء فانّ الدعاء یردّ القضاء المبرم) ''دعا بکثرت مانگ کہ دعا قضاءِ مبرم کو رد کر دیتی ہے''۔

حدیث ابن عساکر عن نمیر بن اوس مرسلاً وحدیث الدیلمی عن ابی موسیٰ رضی اللہ عنہ موصولاً کہ حضور پر نور ﷺ فرماتے ہیں (الدعاء جند من اجناد اللّٰہ مجنّد یردّ القضاء بعد ان یبرم))

''دعا اللہ تعالیٰ کے لشکروں سے ایک لام باندھا لشکر ہے (یعنی ہر طرح کے جنگی سامان سے لیس لشکر ہے) کہ قضاء کو رد کر دیتا ہے بعد مبرم ہونے کے''۔

تحقیق اس مقام کی یہ ہے کہ قضائے معلّق دو قسم ہے: ایک معلّقِ محض جس کی تعلیق کا ذکر لوحِ محو و اثبات یا صحفِ ملائکہ میں بھی ہے، عام اولیا جن کے علم اس سے متجاوز نہیں ہوتے ایسی قضا کے دفع پر دعا کی ہمت فرماتے ہیں کہ انہیں بوجہِ ذکر تعلیق اس کا قابلِ دفع ہونا معلوم ہوتا ہے۔

دوسری معلق شبیہ بمبرم کہ علمِ الٰہی میں تو معلّق ہے مگر لوحِ محو و اثبات و دفاترِ ملائکہ میں اس کی تعلیق مذکور نہیں، وہ ان ملائکہ اور عام اولیا کے علم میں مبرم ہوتی ہے، مگر خواص عباداللہ جنہیں امتیازِ خاص ہے، بالہامِ ربانی بلکہ برؤیتِ مقامِ ارفع حضرتِ مخدع اس کی تعلیقِ واقعی پر مطلع ہوتے ہیں اور اس کے دفع میں دعا کا اذن پاتے ہیں اور عام مومنین جنہیں الواح وصحائف پر اطّلاع نہیں حسبِ عادت دعا کرتے ہیں اور وہ بوجہ اس تعلیق کے جو علمِ الٰہی میں تھی مندفع ہو جاتی ہے، یہ وہ قضائے مبرم ہے جو صالحِ رد (ٹل سکتی) ہے، اور اسی کی نسبت حضورِ غوثیت کا ارشادِ امجد ہے، ولہٰذا فرماتے ہیں:

''تمام اولیاء مقامِ قدر پر پہنچ کر رک جاتے ہیں سوا میرے، کہ جب میں وہاں پہنچا میرے لئے ایک رَوزن (روشن دان) کھولا گیا جس سے داخل ہو کر

''نَازَعتُ اَقدَارَ الحَقِّ بِا لحَقِّ لِلحَقِّ''۔ میں نے تقدیراتِ حق سے حق کے ساتھ حق کے لیے منازعت کی''۔

روا ہ الامام الاجل سیّدی ابو الحسن علی نور الدین اللخمی قُدَّ سِرُّہُ فی،، بھجۃ الاسرار ،،المبارکۃ بسندین صحیحین ثلاثیین عن الامام الحافظ عبدالغنی امقدسی والامام الحافظ ابنِ اخضر رحمھا اللہ تعالی سمعاسیّدنا غوث الاعظم رضی اللہ عنہ وارضاہ وحشرنا فی زمرۃ من تبعہ ووالاہ،آمین.

نظیراس کی احکامِ ظاہریہ شرعیہ ہیں وہ بھی تین طرح آتے ہیں:

ایک مُعلَّقْ ظَاہِرُ التَّعْلِیق کہ حکم کے ساتھ ہی بیان فرما کہ ہمیشہ کیلئے نہیں۔ ایک مدتِ خاص کیلئے ہے کقولہ تعالیٰ:

(حَتّٰی یَتَوَفّٰھُنَّ الْمَوْتُ اَوْ یَجْعَلَ اللّٰہُ لَھُنَّ سَبِیْلًا(النّساء15)

ترجمہ کنزالایمان:''یہاں تک کہ انہیں موت اٹھالے یااللہ ان کی کچھ راہ نکالے''۔

دوسرے وہ کہ علمِ الٰہی تو ان کے لئے ایک مدت ہے مگر بیان نہ فرمائی گئی جب وہ مدت ختم ہوتی اور دوسرا حکم آتا ہے ظاہر معلوم ہوتا ہے کہ حکمِ اوّل بدل گیا حالانکہ ہرگز نہ بدلا (لَا تَبْدِیْلَ لِکَلِمٰتِ اللّٰہِ)(یونس 64) بلکہ اس کے حکم کی مدت یہی تک تھی، گو ہمیں خبر نہ تھی، ولہٰذا ہمارے علماء فرماتے ہیں: نسخ تبدیلِ حکم نہیں بلکہ بیانِ مدت کا نام ہے۔

تیسرے وہ کہ:علمِ الٰہی میں ہمیشہ کے لئے ہے، جیسے نماز کی فرضیت، زنا کی حرمت، یہ اصلاً صالحِ نسخ نہیں یہ قضائیں بھی بصورتِ امر ہوتی ہیں، مثلاً فلاں وقت میں فلاں کی روح قبض کرو، فلاں روز فلاں کو یہ دو یہ چھین لو، نہ صیغہ خبر، کہ خبر میں تخلّف محال بالذات ہے:

(وَ تَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّ عَدْلًا لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهِ -وَ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ)(انعام:115)۔واللہ اعلم

مسئلہ تقدیر تنازع کی تھپیڑ میں

تقدیر ایک نازک مسئلہ ہے اس لئے جانِ عالم نبیِ محتشم رسولِ اکرم ﷺ نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو تقدیر کے متعلق گفتگو کرنے سے ممانعت فرمائی۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانہ کے آخر میں اس پر کچھ لوگوں نے اس مسئلے میں اختلاف کی داغ بیل ڈالی جیسا کہ امام عبدالقاہر بغدادی رحمہ اللہ الفَرْق بينَ الفِرَق میں لکھتے ہیں:

حدّثت فی زمان المتاخّرین منَ الصّحابة خلاف القدریة فی القدر و الاستطاعة من معبد الجهنی و غیلان الدمشقیّ و الجعد ابنِ درهم و تبرّا منهم المتاَخرین منَ الصحابة.

یعنی صحابہ کرام کے زمانہ کے آخر میں فرقہ قدریہ کا تقدیر و استطاعت میں اختلاف اٹھا، اس اختلاف کو ہوا دینے والوں میں سے معبد جہنی، غیلان دمشقی اور جعد بن درہم ہیں صحابہ کرام نے ان سے بیزاری کا اظہار کیا۔

اور کچھ عرصہ گزرنے کے بعد اس میں بڑا اختلاف اٹھا اور اس سے دو فرقِ باطلہ وجود میں آئے، وہ دو فرقے یہ ہیں: (۱) فرقہ قدریہ، (۲) فرقہ جبریہ

ہمارا کلام چونکہ تقدیر کے متعلّق ہے تو اس مقام پر ہم ان دو فرقوں کا مختصر تعارف رقم کرتے ہیں کیونکہ ان فرقِ باطلہ کا تعلق بھی مسئلہ تقدیر سے ہے۔

فرقۂ قدریہ کا تعارف

قدریہ کا عقیدہ ہے کہ انسان سے جس قدر افعال صادر ہوتے ہیں، ان کے

ساتھ ذاتِ باری تعالیٰ کو کسی قسم کا تعلّق نہیں ہوتا، بلکہ انسان خود اپنے افعال کا خالق ہے، اس لئے کچھ ضروری نہیں کہ ان کے افعال کے لئے کسی حکمت و مصلحت کی ضرورت تسلیم کی جائے۔

قدریہ کے اس خیال کو تسلیم کرنے کے سبب پیدا ہونے والے مفاسد

ذاتِ باری تعالیٰ کے افعال خالی از مصلحت وحکمت قرار پائیں گے جو کہ حکیم کی حکمت کے خلاف ہے۔ اس زعمِ فاسد میں ربِّ قدیر کی قدرت کا بھی انکار ہے۔

فرقہ جبریہ کا تعارف:

اہل جبر کا عقیدہ ہے کہ انسان اپنی حرکات وسکنات میں بالکل مجبور ہے، وہ کسی امر کے کرنے یا نہ کرنے میں کچھ اختیار نہیں رکھتا۔ اس کی مثال بعینہٖ ایک لاٹھی کی سی ہے جو حرکت دینے سے حرکت کرتی ہے اور اگر حرکت نہ دیں تو ساکن رہتی ہے۔

جبریہ کے اس زعم کو تسلیم کرنے کے سبب پیدا ہونے والے مفاسد

اگر اس زعم فاسد کو تسلیم کیا جائے تو اس کا ضروری نتیجہ یہ نکلے گا کہ شریعت کے تمام اوامر ونواہی کو باطل قرار دیا جائے اور ضرورتِ نبوت عبث ٹھہرے اور ذاتِ باری کے افعال کو حکمت سے عاری سمجھا جائے۔

المسئلۃ بین القدر والجبر:

حق یہ ہے کہ نہ مسئلہ قدریہ کے بیان کردہ اعتقاد کے مطابق ہے کہ انسان اپنے افعال کا خود خالق ٹھہرے اور نہ ہی جبریہ کے بیان کردہ مؤقف کے موافق ہے کہ انسان مجبورِ محض ٹھہرے بلکہ مسئلہ ان دونوں کے بین بین ہے یعنی انسان اپنے افعال کا خالق نہیں بلکہ افعالِ عباد کا خالق ربِ کریم ہے اور نہ ہی انسان مجبورِ محض ہے کہ اس سے اس کے اعمال کی پرسش ہی نہ ہو بلکہ انسان کے افعال کا خالق اللہ تعالیٰ ہے اور

انسان اپنے افعال کا کاسب خود ہے اور یہی اہلِ سنّت کا عقیدہ ہے۔ہم اہلسنّت کے اس عقیدے کو امامِ اہلسنّت کے الفاظ میں بیان کر دیتے ہیں تا کہ کسی شبہ کی گنجائش نہ رہے۔

اہلسنّت کا مؤقف امامِ اہلسنّت کی زبانی:

مجدد ِملّت ،امامِ اہلِ سنت الشّاہ امام احمد رضا خان فاضلِ بریلوی نوّ ر اللہ مرقدہ فرماتے ہیں:

''بس یہی عقیدۂ اہلسنّت ہے کہ انسان پتھر کی طرح مجبورِ محض ہے نہ خود مختار بلکہ ان دونوں کے بیچ میں ایک حقیقت ہے جس کی کنہ رازِ خدا اور ایک نہایت عمیق دریا ہے''۔

بحمدہ تعالیٰ تقدیر کی تعریف و اقسام کی تفصیل پر مشتمل باب مکمل ہوا،اب ہم اگلا باب شروع کرتے ہیں جو تقدیر پر کیے جانے والے اعتراضات کے جوابات پر مشتمل ہے۔

باب دوم

تقدیر پر کیے گئے اعتراضات کے جوابات

اس باب میں ہم تقدیر کے متعلق ملحدین نے جو اعتراضات کیے ہیں چاہے وہ دورِ حاضر میں ہوں یا اس سے قبل، اُن کے علمی والتزامی و تحقیقی جوابات عرض کریں گے۔

زندیق ابن زید ثقفی کی عقیدۂ تقدیر کے متعلق ایک شرارت

ساتویں سن ہجری میں ابنِ زید ثقفی جو مسلمان کہلاتا تھا، ایک ذمّی کافر سے تقدیر کے متعلق اعتراضات پر مشتمل ایک نظم لکھوائی اور علماء کرام سے ان اعتراضات کے جوابات طلب کیے۔ اُس زندیق کا مقصد طلب جواب نہ تھا بلکہ اُس کا مقصد اسلام کے اس بنیادی عقیدے میں رخنہ ڈالنا تھا، اس وقت کے علماءِ کرام نے اپنا فرضِ منصبی نبھایا اور اپنی ذمہ داری سمجھتے ہوئے اس کے اُن اعتراضات کے جوابات بصورت نظم دیے، جیسے ''طبقاتِ شافعیہ کبریٰ (جلد 6 صفحہ 232 مطبوعہ مصر) میں علامہ تاج الدین عبدالوہاب سبکی رحمہ اللہ (المتوفّٰی 771 ھ) اور ''الوافی بلوفیات'' میں الشیخ علاء الدین بن اسماعیل قونوی رحمہ اللہ نے اس کے جوابات بصورتِ نظم ذکر کیے ہیں۔ اس دور کے ملحدین کے اعتراضات بالکل وہی ہیں جو اُس نظم میں لکھے ہیں تو اس لئے ہم اس نظم کے جوابات ذکر کر دیتے ہیں۔

اعتراض: **ایَاعلماء الدّین ذمیٌّ دینکم تحیّر دُلُّوہ باوضح حُجّۃ !**

اے علمائے دین! تمہارے دین کا ایک ذمی شخص پریشان ہے، واضح دلیلوں کے ساتھ اس کی رہنمائی فرمائیں۔

اذا مـاقضٰی ربّی بکفری بزعمکم ولم یرُضہ منّی وما

وجُهُ حیلتی.

یعنی، جب کہ خدا تعالیٰ نے تمہارے اعتقاد کے مطابق کفر مقرر کر دیا ہے اور میرے کفر سے راضی بھی نہیں ہے تو بتاؤ میرے لئے کون سی راہ رہ گئی ہے؟

اعتراض کی وضاحت

معترض یہ کہنا چاہ رہا ہے کہ اے مسلمانو! تمہارا عقیدہ ہے کہ اللہ پاک نے جس بندہ کے لئے جو لکھا اس کو وہ کرنا پڑے گا، اس کے لئے کوئی راہ ہی نہیں کیونکہ اس کے حکم کی مخالفت کوئی نہیں کرسکتا وہ نہ چاہے تو پتا بھی حرکت نہیں کر سکتا، تو جب اللہ تعالیٰ نے میرے لیے کفر مقرر کر دیا ہے تو میں تو مجبور ہوں کفر کرنے پر اور کفر کے علاوہ میرے لیے کوئی چارہ ہی نہیں۔

پھر بڑی بات یہ کہ اللہ پاک نے میرے لیے کفر لکھا بھی خود، اور میرے کفر سے راضی بھی نہیں، اب بتاؤ میں کیا کروں؟

جواب: ''اذا ما قضٰی......الخ'' اس مقام پہ قضا، تقدیر کے معنی میں استعمال کیا گیا ہے۔ پہلا التزامی جواب یہ ہے کہ اس ذمّی کو پتا کیسے چلا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے کفر کا ارادہ فرمایا ہے اسلام کا نہیں، اگر اُس نے ہمارے عقیدے کا اعتبار کرتے ہوئے سوال کیا ہے، جیسا کہ لفظ ''زعمکم'' سے پتا چل رہا ہے تو ہمارا تو یہ عقیدہ بھی ہے کہ اللہ پاک کے علم و ارادے کا کسی کو پتا نہیں چل سکتا ''الّا ما استثنی'' اور ہماری فقہی کتب میں یہ مسائل مذکور ہیں کہ:

واذا قال لامراته انتِ طالق ان شاء الله تعالیٰ متّصلا لم یقع الطّلاقُ علیها.

یعنی: اگر کسی نے اپنی بیوی سے کہا: تجھے طلاق ہے اور اس جملے سے متصلاً کہہ دیا اگر اللہ پاک چاہے، تو اس صورت میں طلاق واقع نہیں ہوگی۔

اس کی وجہ صاحبِ ہدایہ نے یہ بیان فرمائی کہ: **والشّرط لا یعلم ھٰھُنا۔**
یعنی طلاق دینے والے شخص نے طلاق کو ایسی شرط (ارادۂ الٰہی) پر معلق کیا ہے جس کا کسی کو پتا ہی نہیں چل سکتا۔

(۲) ومن حلف بیمین وقال ان شاء اللّٰہ متصلا بیمینه فلاحنث علیه.

یعنی: کسی شخص نے قسم کھائی اور ساتھ ہی ان شاء اللہ کہہ دیا تو اس کی قسم نہیں ہوئی۔

اور تحقیقی جواب یہ ہے کہ ہم نے ابتدا میں تقدیر کی جو تعریف بیان کی ہے اگر اس کو ملحوظِ خاطر رکھا جائے تو اس اعتراض کا جواب بالکل واضح ہو جاتا ہے کہ تقدیر کے آگے آدمی مجبور نہیں ہوتا کیونکہ تقدیر علم ہے اور علم معلوم کے مطابق ہوتا ہے، نہ یہ کہ معلوم علم کے مطابق۔ جیسے آپ کو کسی نے خبر دی کہ ''زید مر گیا ہے'' یہ خبر ایک علم ہے جو آپ کے پاس آیا۔ آپ نے تحقیق کی کہ زید واقعتاً مرا ہے یا نہیں، اگر واقعتاً مر گیا ہے تو آپ کہیں گے: میرا علم ٹھیک ہے کیونکہ علم واقع کے مطابق ہے۔ اگر واقعتاً نہیں مرا آپ کہیں گے میرا علم غلط ہے کیونکہ معلوم و واقع کے مطابق نہیں، نہ کہ آپ زید کو مار کر اپنے علم کے مطابق کریں گے تاکہ یہ علم ٹھیک ہو جائے۔

تو تقدیر ایک علم ہے جو ان واقعات کے مطابق ہے جو بعد میں رونما ہونے تھے، یعنی جیسا ہونا تھا ویسا لکھ دیا گیا۔ تو اس ذمّی نے اللہ پاک کے احسانات و نعمتوں کے باوجود اللہ کے ساتھ کفر کرنا تھا۔ انبیاء کرام کی دعوت پہنچنے کے باوجود اپنا ڈھیٹ پن دکھانا تھا اور سعادت کے بجائے شقاوت کو اپنانا تھا تو اللہ پاک نے امّ الکتب میں لکھ کر فرشتوں کو بتا دیا کہ میرا علم ''جو سچ اور درست ہے جس میں کذب کا شائبہ نہیں'' فلاں ذمّی کے بارے میں یہ ہے کہ یہ بندہ میرے احسانات کے باوجود میرے ساتھ کفر کرے گا۔ میرے مقدس نبیوں کی دعوت اس تک پہنچے گی لیکن یہ خود اپنے ارادے سے ڈھیٹ بنا

ہوا ہوگا اور اوران کی دعوت کو ٹھکرائے گا اور اپنے لئے سعادت کے بجائے شقاوت کو اپنائے گا۔

اب معاذ اللہ ایسا نہیں ہوگا کہ اللہ پاک اس کو اس کفر والے راستے پر چلنے پر مجبور کرے گا تا کہ اُس کا علم ازلی دائمی ٹھیک ہو جائے، بلکہ بندہ نے خود بدبختی کا سودا کرلیا تھا اس لئے وہ کفر پر چل رہا ہے۔ جیسے پچھلی مثال میں آپ کا علم تھا کہ ''زید مر گیا ہے''، لیکن ''حقیقت میں وہ زندہ تھا'' تو آپ نے اس کو مار کر تو آپ نے اپنے علم کے مطابق نہیں کیا۔ ہاں اللہ پاک کا علم غلطی سے پاک و منزہ ہے۔

''**بزعمکم**''یعنی جیسا کہ مسلمانوں کا عقیدہ ہے، یہ اس نے مغالطہ دینے کی کوشش کی ہے کہ مسلمانوں کا جو یہ عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اذن کے بغیر پتہ بھی نہیں ہل سکتا، وہ نہ چاہے تو انسان معمولی سی حرکت بھی نہیں کر سکتا۔ اور وہ جس کو موت دینا چاہے وہ کسی صورت بچ نہیں سکتا وغیرڈ لک جو مسلمانوں کے اعتقادات ہیں یہ اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ انسان مجبورِ محض ہے، حالانکہ ایسی کوئی بات نہیں۔ ہمارے جن عقیدوں کے ذریعے ''بندہ کے مجبورِ محض ہونے پر استدلال کر کے مغالطہ دینے کی کوشش کی گئی ہے، ہمارے وہ عقیدے امورِ تکوینیہ کے بارے میں ہیں نہ کہ امورِ تشریعیہ کے بارے میں۔ پیچھے ہم نے امورِ تکوینیہ اور امورِ تشریعیہ کا تعارف اور فرق بیان کر چکے ہیں کہ موت و حیات، صحت و بیماری، کمزوری و تونگری وغیرہ امور کا تعلق امورِ تکوینیہ سے ہے جن میں انسان کو بالکل اختیار حاصل نہیں، یہ امور اللہ تعالیٰ کے حکم ''کن'' سے وجود میں آتے ہیں اور ان امور کے متعلق قیامت میں پرسش بھی بالکل نہیں، مثلاً: کوئی غریب تھا تو اس سے یہ پرسش نہیں ہوگی کہ وہ غریب کیوں تھا، کسی نے بیماری میں زندگی گزاری تو روزِ قیامت اس سے نہیں پوچھا جائے گا کہ اس نے بیماری میں زندگی کیوں گزاری بلکہ اللہ پاک محض اپنے فضل و کرم سے ان امور پر اجر عطا فرمائے گا اور کفر و ایمان، نیکی و گناہ وغیرہ احکامِ شرع کا تعلق امورِ تشریعیہ سے ہے جن

میں انسان کو اختیار بھی ہے، اِس میں اس کے ارادے کو بھی دخل ہے اوران افعال کا ''کاسب'' بھی انسان خود ہی ہوتا ہے چاہے وہ اچھا عمل ہو یا برا جیسا کہ ہم نے سابقہ صفحات میں مفصّلاً ذکر کر دیا۔

''**ولم یرضٰی منّی الخ**۔یعنی اللہ پاک نے میرے لئے کفر لکھا تو میں اس کے لکھے سے مجبور ہو کر کفر اختیار بھی کر لیا لیکن پھر بھی اللہ پاک میرے اس کفر سے راضی نہیں،اب بتاؤ میرے لئے کوئی کون سا راستہ بچا ہے؟

ہم نے تفصیل ذکر کر دی ہے کہ تقدیر علم ہے جس سے بندہ مجبور نہیں ہو جا تا اور کفر و اسلام تو امورِ تشریعیہ میں سے ہیں جس میں انسان کو پورا اختیار حاصل ہوتا ہے، اس میں اس کے ارادے کا پورا دخل ہوتا ہے، اپنے ارادے سے چاہے وہ کفر اختیار کر کے کفر کا ''کاسب'' بنے یا ایمان اختیار کر کے ایمان کا ''کاسب'' بنے،باقی چونکہ کسب اس نے خود اپنے ارادے سے کیا ہے تو اسلام اچھی چیز ہے،اللہ نے اسی کو اختیار کرنے کا حکم دیا ہے اور اللہ پاک کی بارگاہ میں یہی مقبول ہے،تو اس کے اسلام کے کسب پر اس کی تعریف بھی کی جائے گی اور اللہ پاک بھی راضی ہوگا کیونکہ انسان نے اس حکم پر عمل کیا اور کفر بری و غلیظ چیز ہے،اللہ پاک نے اس غلاظت و نجس چیز سے بچنے کا حکم دیا ہے،اور اللہ پاک کی بارگاہ میں یہ مردود ہے،تو بندے کے کفر کے کسب پر اس کی مذمت بھی کی جائے گی۔اللہ پاک ناراض بھی ہوگا کیونکہ انسان نے اس کے حکم سے عدولی کی اور منہ موڑا،باقی راستہ بالکل باقی بچا ہے کہ کفر سے توبہ کرے اور اسلام قبول کرے اللہ تعالیٰ راضی ہو جائے گا۔

اعتراض:

دَعانی سدّ الباب عنّی فهلُ الی
دخولی سبیلُ بیّنوں لی قضیّتی

یعنی: اللہ پاک نے مجھے اسلام کی طرف بلایا اور بلا کر داخل ہونے کا دروازہ میرے

لیے بند کر دیا تو اب میرے داخل ہونے کا کوئی راستہ ہے؟ بتایئے میرے لئے کیا فیصلہ ہے؟

اعتراض کی وضاحت

معترض یہ کہنا چاہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری نبی حضرتِ احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے مجھے اپنے دین کی دعوت دی، لیکن دعوت دینے کے بعد دروازے کے اندر داخل نہیں ہونے دیا بلکہ دروازہ بند کر دیا، جیسا کہ قرآنِ مجید میں فرمایا:

اِنَّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا سَوَآءٌ عَلَیۡهِمۡ ءَاَنۡذَرۡتَهُمۡ اَمۡ لَمۡ تُنۡذِرۡهُمۡ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰی قُلُوۡبِهِمۡ وَ عَلٰی سَمۡعِهِمۡ وَ عَلٰۤی اَبۡصَارِهِمۡ غِشَاوَةٌ وَّ لَهُمۡ عَذَابٌ عَظِیۡمٌ.

ترجمہ کنزالایمان: ''بے شک وہ جن کی قسمت میں کفر ہے انہیں برابر ہے چاہے تم انہیں ڈراؤ یا نہ ڈراؤ وہ ایمان لانے کے نہیں، اللہ نے ان کے دلوں پر اور کانوں پر مہر کر دی اور ان کی آنکھوں پر گھٹا ٹوپ ہے اور ان کیلئے بڑا عذاب''۔ (سورۃ البقرہ)

اس سے معترض یہ استدلال کر رہا ہے کہ اللہ پاک نے ہمیں خود بلایا اور خود ہی ہمارے دلوں پر مہر لگا کر اسلام میں داخل ہونے کا چانس ہی ختم کر دیا۔ تو اب ہمارا اس میں کیا قصور ہے۔

الزامی جواب

پہلے الزامی جواب پیش خدمت ہے کہ:

ایک شفیق و مہربان ماہر ڈاکٹر کسی مہلک مرض میں مبتلا شخص کا نہایت ہمدردی سے علاج کرنے کی بلیغ کوشش کرتا رہے، لیکن وہ مریض اس ڈاکٹر کی شدید مخالفت کرے اور اس سے سخت نفرت کا اظہار کرے، بالآخر وہ ڈاکٹر مایوس ہو کر اس کو اس کے

مہلک مرض کی وجہ سے یہ کہہ دے کہ اب تم موت کے دہانے کھڑے ہو اور بس اتنے دنوں کے مہمان رہ گئے ہو۔ پھر وہ مریض اس کی بتائی ہوئی مدت کے اندر اس دارِ فانی سے کوچ کر جائے تو کیا دنیا میں کوئی عقل مند شخص اس ڈاکٹر کو قصوروار ٹھہرائے گا؟ حاشا ہر گز نہیں، بلکہ ہر شخص اس مہلک مرض اور اس کی ہٹ دھرمی ہی کو سبب ٹھہرائے گا۔

جب اس مقام پر کوئی ڈاکٹر کو قصوروار نہیں ٹھہراتا تو اللہ ربّ العٰلمین واحکم الحاکمین کے بارے میں کیسے کوئی کہہ سکتا ہے کہ اُس نے دروازہ بند کر دیا ہے۔ کفر کا مریض خود ہٹ دھرمی کر کے اپنے اوپر ایمان کا دروازہ بند کر دے اور سرکشی میں انتہا کو پہنچے اور اس کے ایمان لانے کا کوئی چانس باعتبارِ نظر عباد نظر نہ آ رہا ہو، اور آگے بھی اس کے ایمان لانے کی کوئی امید نہ ہو، پھر اللہ پاک یہ فرما دے کہ اب اس کی سرکشی کی وجہ سے اس کے دل پر میں نے مہر کر دی، تو بندہ اپنی ساری سرکشیاں اور ساری ہٹ دھرمیاں بھول جائے اور یہ بکواس کرنے لگے کہ اللہ پاک نے میرا دروازہ بند کر دیا ہے اور مجھے داخل نہیں ہونے دے رہا۔

تحقیقی جواب

سب سے پہلے اس آیت ''اِنّ الّذِیْنَ کَفَرُوْا ''۔ الخ۔ اور ''ختم اللہ'' الخ۔ کی تفسیر اور شانِ نزول ملاحظہ کرتے ہیں، اس کے بعد یہ واضح ہو جائے گا کہ کیا واقعی اللہ پاک نے اس کا دروازہ بند فرمایا ہے یا انہوں نے خود ایسے اسباب پیدا کر کے اپنے اوپر خود ہی ہدایت کا دروازہ بند کر دیا ہے۔

صدر الافاضل حضرت، علامہ سیّد نعیم الدین مراد آبادی رحمہ اللہ اس آیت کا شانِ نزول لکھتے ہوئے فرماتے ہیں:

یہ آیت ابوجہل، ابولہب وغیرہ کفّار کے حق میں نازل ہوئی جو علمِ الٰہی میں ایمان سے محروم ہیں، اسی لئے ان کے حق میں اللہ تعالیٰ کی مخالفت سے ڈرانا، نہ ڈرانا دونوں برابر ہیں انہیں نفع نہ ہوگا، مگر حضور اکرم ﷺ کی سعی بیکار (ضائع) نہیں، کیونکہ

منصبِ رسالت عامہ کا فرض رہنمائی و اقامت حجت وتبلیغ علیٰ وجہ الکمال ہے، اس آیت میں حضور ﷺ کی تسکینِ خاطر (تسلّی و دل جوئی) ہے کہ کفّار کے ایمان نہ لانے سے آپ مغموم نہ ہوں، آپ کی سعی تبلیغ کامل ہے، اس کا اجر ملے گا، محروم تو یہ بدنصیب ہیں جنہوں نے آپ کی اطاعت نہ کی۔

مزید فرماتے ہیں: اس سے معلوم ہوا کہ ہدایت کی راہیں ان سے اوّل ہی سے بند نہ تھیں کہ جائے عذر ہوتی بلکہ ان کے کفر و عناد اور سرکشی و بے دینی اور مخالفت حق و عداوتِ انبیاء علیہم السّلام کا یہ انجام ہے جیسے کوئی شخص طبیب کی مخالفت کرے اور زہرِ قاتل کھالے اور اس کیلئے دوا سے انتفاع کی صورت نہ رہے تو خود وہی مستحق ملامت ہے۔

امامِ اہلسنّت مجدّدِ دین وملّت الشّاہ امام احمد رضا خان رحمہ اللہ اس آیت کی توضیح لکھتے ہوئے فرماتے ہیں:

''''اِنّ الّذِیْنَ کَفَرُوْا ''۔الخ۔ ہمارے نبی کریم ﷺ تمام جہان کے لئے رحمت بنا کر بھیجے گئے جو کافر ایمان نہ لاتے ان کا نہایت غم حضور ﷺ کو ہوتا، یہاں تک کہ اللہ عزّ وجلّ نے فرمایا:

فَلَعَلَّکَ بَاخِعٌ نَّفُسَکَ عَلٰٓی اٰثَارِھِمۡ اِنۡ لَّمۡ یُؤۡمِنُوۡا بِھٰذَا الۡحَدِیۡثِ اَسَفًا. (سورۃ کہف:6)

ترجمہ: شاید تم ان کے پیچھے جان پر کھیل جاؤ گے اس غم میں کہ وہ کلام پر ایمان نہیں لاتے۔

لہٰذا حضور اکرم ﷺ کی تسکین خاطرِ اقدس کو یہ ارشاد ہوا ہے کہ جو ہمارے علم میں کفر پر مرنے والے ہیں۔ والعیاذ باللہ تعالیٰ وہ کسی طرح ایمان نہیں لائیں گے تم اس کا غم نہ کرو، لہٰذا یہ فرمایا کہ تمہارا سمجھانا، نہ سمجھانا ان کو یکساں ہے۔ یہ نہیں فرمایا کہ تمہارے حق میں ہے کہ ہدایت معاذ اللہ امرِ فضول ٹھہرے، ہادی کا اجر اللہ پر ہے،

چاہے کوئی مانے یا نہ مانے۔(وَ مَا عَلَی الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِیْنُ)
ترجمہ:''اور رسول کے ذمہ نہیں مگر صاف پہنچا دینا''۔
مَاسَاَلْتُکُمْ مِّنْ اَجْرٍ فَھُوَ لَکُمْ-اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلَی اللّٰہِ.(سبا:47)
ترجمہ: اور میں تم سے اس پر کچھ اجر نہیں مانگتا، میرا اجر تو اسی پر ہے جو سارے جہان کا رب ہے۔

اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے اور آج سے نہیں ازل الآزال سے کہ اتنے بندے ہدایت پائیں گے اور اتنے چاہِ ضلالت میں ڈوبیں گے، مگر کبھی اپنے رسولوں کو ہدایت سے منع نہیں فرمایا کہ جو ہدایت پانے والے ہیں ان کیلئے سبب ہدایت ہوں اور جو نہ پائیں گے ان پر حجتِ الٰہیہ قائم ہو۔

مذکورہ بالا تفسیر سے واضح ہوا کہ اس آیت کا ہرگز یہ معنیٰ نہیں کہ اللہ پاک نے ان تمام کافروں کے دلوں پہ مہر لگا دی ہے تا کہ یہ لوگ اسلام میں داخل نہ ہوسکیں بلکہ معنی یہ کہ جن کافروں نے سرکشی و عناد کی وجہ سے خود ہی اپنے اوپر اسلام و ایمان کا دروازہ بند کر دیا ہے اور ان کے اسلام لانے کا کوئی چانس نہیں بچا ان کے دلوں پر اللہ پاک نے مہر کر دی ہے، اے حبیب اپ ان کا اتنا غم کر کے اپنے آپ کو مشقت میں نہ ڈالیں۔

دوسری بات یہ کہ یہ آیت ہر کافر کے بارے میں نازل نہیں ہوئی بلکہ صرف اُن کافروں کے بارے میں نازل ہوئی ہے جنہوں نے زمانہ رسولِ کریم ﷺ میں آپ ﷺ کے سامنے حسد و عناد اور سرکشی کی انتہا کر دی اور ان کے ایمان لانے کا چانس باقی نہیں بچا جیسے ابوجہل، ابولہب، عتبہ بن شیبہ وغیر ذٰلک، تو اس آیت کو پیش کر کے امت کو مغالطہ دینے کی کوشش کرنا کسی طرح درست نہیں ہے۔

باقی جتنی آیات ہیں ان سب کا یہی معنیٰ ہے اور ایسی تمام آیتیں انہی کافروں کے بارے میں ہیں، جن کافروں نے بغض و عناد کی حد کر دی، سرکشی کی انتہا کو

پہنچ گئے اور ان کے بارے میں علمِ الٰہی میں ہے کہ انہوں نے تاحیات ایمان نہیں لانا، ورنہ ربّ کی رحمت کے دروازے ہر وقت بندہ کے لئے کھلے ہیں، جیسا کہ قرآنِ کریم میں ارشاد فرمایا:

یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓی اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِیْعًا. (الزمر:53)

ترجمہ کنز الایمان: اے میرے وہ بندو جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی اللہ کی رحمت سے نا امید نہ ہو۔ بے شک اللہ سب گناہ بخش دیتا ہے۔

اس آیتِ رحمت نشان کا لطف بھی دیکھیں کہ "یاایھا الّذین آمنوا" نہیں فرمایا، بلکہ "یَاعِبَادِی" فرمایا، تاکہ جمیع بندگانِ خدا کا فر و مومن اس میں داخل رہیں، اور صدائے رحمت سب کے لئے عام رہے، پھر "ذنوب" کے ساتھ "جمیعا" کی تاکید لگا کر واضح فرما دیا کہ اگر کسی نے کفر و شرک جیسے غلیظ گناہ کا ارتکاب کر چکا ہے، تو وہ بھی حاضر بارگاہ ہو، اللہ پاک اس کو بھی بخشنے والا ہے۔

اعتراض:

قضٰی بضلالی ثمّ قال ارض بالقضا
فما انا راض بالّذی فیه شقوتی

یعنی: "میری گمراہی مقدر کر کے اللہ پاک نے مجھ سے کہا: میری قضا و قدر پر راضی رہ تو میں اپنی اس بدبختی پر راضی ہوں۔

فان کنتُ بالمقضیّ یا قوم راضیا
فربّی لا یرضٰی بشؤم بلیّتی

اے لوگو! اگر میں اپنی تقدیر پہ راضی ہوتا ہوں تو میرا ربّ میری بدبختی پر راضی نہیں ہوتا۔

فهل لی رضا مالیس یرضاه سیّدی
فقد حِرتُ دلّونی علٰی کشف حیرتی

اب میری رضا کیسے ہو اس چیز پر جس پر میرا رب راضی نہیں، میں بالکل پریشان ہوں میری پریشانی دور فرمائیں۔

اعتراض کی وضاحت:

معترض یہ کہنا چاہتا ہے کہ جب اللہ پاک نے میرے لئے میری تقدیر میں کفر لکھا ہے تو میں اس پر راضی ہوں، کیونکہ رضا بالقضا (اللہ پاک کے فیصلے پر راضی رہنا) واجب ہے، لیکن میرا ربّ میری اس بدبختی پر بھی راضی نہیں۔ جیسا کہ قرآن پاک میں فرمایا: ''**ولا یرضٰی لعبادہ الکفر** ''(زمر 7) مجھ پر تو قضا پر راضی رہنا واجب ہے میں راضی ہوا، لیکن میرا رب اس پر بھی راضی نہیں اب میں تو انتہائی پریشان ہوں کہ کون سی راہ نکالوں کہ میرا رب بھی راضی ہو جائے۔

جواب:

''**رضا بالقضا** '' سے مغالطہ دینے کی کوشش کوئی نئی بات نہیں۔ یہ اعتراض و مغالطہ بہت پرانا ہے اور ہمارے کئی اکابرین نے کتب ''علم الکلام'' میں اس اعتراض کو نقل کر کے اس کے جوابات دیے ہیں جیسا کہ امام نجم الدین ابو حفص عمر بن محمد بن احمد نسفی رحمہ اللہ نے ''**العقائد النّسفیہ** '' میں اور امام فضل الرسول بدایونی رحمہ اللہ نے ''**المعتقد و المنتقد** '' میں۔ ہم اکابرین کے دیے ہوئے جوابات بھی نقل کریں گے، لیکن اس کے جواب سے پہلے ہم صفت تکوین کی بحث کو رقم کرنا ضروری سمجھتے ہیں تا کہ تفہیم و تفہّم آسان ہو جائے۔

تکوین کی تعریف

التکوین وھو المعنی الّذی یعبّر عنہ بالفعل والخلق والتخلیق والایجاد والاحداث والاختراع ونحو ذٰلک، ویفسّر باخراج المعدوم من العدم الَی

الوجود،صفة الله تعالیٰ ازلیة.

یعنی: تکوین اللہ تعالیٰ کی ازلی صفت ہے اور یہ وہی چیز ہے جس کو فعل، خلق، تخلیق، ایجاد، احداث اور اختراع وغیرہ سے تعبیر کیا جاتا ہے اور اس کی وضاحت معدوم کو عدم سے وجود کی طرف لانے سے کی جاتی ہے۔

یہ تکوین کی تعریف ہے اور قضا کا تعلق بھی صفتِ تکوین سے ہے، ایسی چیزیں جو صفت تکوین سے وجود میں آتی ہیں ان کو مکوّن کہا جاتا ہے۔

تکوین مکوّن کا غیر ہے:

امام نجم الدین ابو حفص، عمر بن محمد بن احمد نسفی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وھو غیر المکوّن عندنا.

یعنی: ''ہمارے نزدیک صفتِ تکوین، مکوّن کا غیر ہے۔

امام مسعود بن القاضی فخر الدین عمر تفتازانی رحمہ اللہ اس کے تحت فرماتے ہیں:

لانّ الفعل یغایر المفعول بالضرورة کضرب مع المضروب ولاکل مع الماکول.

یعنی: تکوین مکوّن کا غیر ہے اس لئے کہ لامحالہ فعل مفعول کا غیر ہوتا ہے، جیسے ضرب (مارنے کا فعل) مضروب (جس پر یہ فعل واقع ہوا مثلاً زید) کا غیر اور اکل (کھانے کا فعل) ماکول (جس چیز پر یہ واقع ہوا مثلا روٹی) کا غیر ہے۔

ولانّہ لو کان عین المکوّن لزم ان یکون المکوّن مکوّنا مخلوقا بنفسه، ضرورة انّه مکوّن بالتکوین الّذی ھو عین المکوّن فیکون قدیمامستغنیا عن الصّانع وھو محال.

اور اس لئے کہ اگر تکوین مکوّن کا عین ہو تو مکوّن کا اپنے آپ پیدا ہونا لازم آئے گا کیونکہ لامحالہ وہ اس تکوین سے وجود میں آیا ہوگا جو مکوّن کا عین ہے تو تکوین کو

مکوّن کا عین ماننے سے مکوّن کو قدیم اور صانع سے مستغنی ہونا لازم آئے گا جو کہ محال ہے۔

تنبیہ

امام سعد الدین تفتازانی رحمہ اللہ نے تکوین کے مکوّن کے غیر ہونے پر مزید دلائل بھی نقل کئے ہیں، ہم طوالت سے احتراز کرتے ہوئے اتنے ہی دلائل کے نقل پر اکتفا کرتے ہیں۔

مذکورہ ابحاث نقل کرنے کا مقصد فقط یہ ثابت کرنا تھا کہ تکوین مکوّن کا غیر ہے، عین نہیں، اور صفتِ تکوین کے تحت جو چیزیں آتی ہیں، ان کی امثلہ تعریف کے تحت ہی امام سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی رحمہ اللہ نے بیان کر دیں، جن کو تعریف کے تحت نقل کر چکے، اب دوبارہ ان پہ ایک نظر ڈالتے ہیں۔

صفتِ تکوین کن کن صفات کو شامل ہے؟

صفتِ تکوین فعل، خلق، تخلیق، ایجاد، احداث اور اختراع وغیرہ کو شامل ہے۔
جب یہ بات واضح ہوگئی کہ تکوین مکوّن کا غیر ہے تو اس کے تحت آنے والی صفات سے جو چیزیں وجود میں آتی ہیں وہ بھی ان کا غیر ہوں گی، جیسے صفت خلق سے جو چیز وجود میں آئے گی وہ اس کی غیر ہوگی تو مخلوق صفتِ خلق کی غیر ہے، صفت احداث سے جو چیز وجود میں آئے گی وہ اس کی غیر ہوگی تو محدَث صفتِ احداث کی غیر ہوگی کیونکہ یہ سب تکوین کی جزئیات ہیں وعلیٰ ھٰذا القیاس۔

''قضا'' بھی ''صفت تکوین'' کی جزئی ہے اور مقضٰی کا غیر ہے

''قضا'' بھی ''صفت تکوین'' کی جزئی ہے اور مقضٰی کا غیر ہے تو جس طرح ''تکوین مکوّن کا غیر ہے'' اسی طرح اس کی جزئی ''قضا'' بھی مقضیٰ کا غیر ہے، مذکورہ اعتراض کے جواب کو سمجھنے کے لئے تکوین کی اتنی بحث کافی ہے۔ اب ہم اس

اعتراض کے جواب کی طرف چلتے ہیں۔

پہلا جواب: ''رضا بالقضا واجب ہے'' کی تشریح

قضا کا معنٰی: قضا کا معنی یہ ہے کہ: موت وحیات، بیماری وصحت، نیکی و گناہ، کفر وایمان وغیرہ ان سب کو اللہ پاک نے بنایا ہے، یہ اللہ تعالیٰ کی قضا ہیں، ان پر راضی رہنا کہ اللہ پاک نے نیکی کو محض اپنے فضل سے بنایا ہے اور برائی کو اس نے بندوں کے امتحان کے لئے بنایا ہے یہ اس کا عدل ہے'' **والکلُّ من عند اللہ خلقا، فخلقالطاعة فضلٌ و خلق المعصیّة عدل** '' تاکہ لوگوں پر ظاہر ہو کہ کون اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ کاموں کو اختیار کرتا ہے اور کون اس کے ناپسندیدہ کاموں کو اختیار کرتا ہے، اس کا بنانا بالکل درست ہے، کیونکہ مالک کو اپنے مملوکوں سے امتحان لینے کا حق حاصل ہوتا ہے، کسی حکمت کے تحت بنایا ہے، اگرچہ وہ حکمت ہماری ناقص عقل میں نہ آ رہی ہو کہ حکیم کا فعل حکمت سے خالی نہیں ہوتا۔ ''الرضا بالقضاء واجب'' کے یہی معنیٰ ہیں۔

اللہ پاک کا کفر کو بنانا یہ تھی قضا اور اس کا بنایا ہوا ''کفر'' یہ ہے مقتضیٰ، کفر کو پسندیدہ چیز قرار دینا اور اس کو پسند کر کے اختیار کرنا اور اس کے اختیار کرنے پر راضی ہونا یہ مقضیٰ پر راضی ہونا ہے جو کہ کفر ہے اور یہی معنیٰ ہیں اس عبارت کے: ''الرضاء بالکفر) مقضی (کفر)۔

جب یہ واضح ہو چکا کہ معترض کو جس معنی کی وجہ سے پریشانی لاحق ہو رہی تھی وہ تو اس کا معنیٰ ہی نہیں، اللہ پاک نے نہ کفر مقتضیٰ پر راضی رہنے کو واجب کیا ہے بلکہ اس کے برخلاف پر رضا کا حکم دیا ہے (اور نہ ہی وہ خود کفر پر راضی ہوتا ہے بلکہ کفر سے وہ سخت ناراض ہوتا ہے، تو پریشانی کا حل یہی ہے کہ اسلام قبول کرے کہ جس کے اختیار کرنے پر بندے کو راضی رہنے کا حکم ہے اور اللہ تعالیٰ خود بھی اسی سے راضی ہے۔

دوسرا جواب

اس اعتراض کا دوسرا جواب یہ ہے کہ:

ایک چیز کی نسبت مختلف حیثیتوں کی وجہ سے دو مختلف چیزوں کی طرف کرنا بالکل درست ہے جیسے زمین، اس کی نسبت خدا کی طرف کی جاتی ہے اس اعتبار سے کہ اس نے اس کو پیدا کیا ہے اور بندے کی طرف کی جاتی ہے مجازی ملکیت کے اعتبار سے۔

اسی طرح کفر کی بھی مختلف حیثیتوں سے دو پہلو سے کی جاتی ہے، اس کی ایک نسبت اللہ پاک کی طرف کی جاتی ہے اس اعتبار سے کہ اس نے کفر کو بنایا ہے اپنے بندوں کے امتحان کے لئے۔ اس کی دوسری نسبت کی جاتی ہے بندے کی طرف اپنے قصد وارادے کے ساتھ اس کو اختیار کرنے کے اعتبار سے۔

تو خلق کے اعتبار سے جو اس کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہے اس اعتبار سے رضا بالقضاء واجب ہے اور اپنے قصد وارادے اختیار کرنے کے اعتبار سے اس کی جو نسبت کی جاتی ہے بندے کی طرف اس اعتبار سے رضا بالقضا کفر ہے۔

ہم نے تفصیل مع سعی التسہیل سے اوپر وضاحت عرض کر دی ہے اب ہم امام سعدالدین تفتازانی، امام عبدالعزیز پرہاروی اور امام فضل الرسول بدایونی رحمہم اللہ کا پیش کردہ اس اعتراض کا جواب بغیر ترجمہ کے نقل کرتے ہیں تا کہ اگر کوئی اس تفصیل کی تصدیق چاہے تو باآسانی دیکھ سکے۔

قال امام سعد الدین تفتازانی رحمه اللّٰه:

لایقال: لو کان الکفر بقضاء الله تعالیٰ لوجب الرضاء به لانّ الرضاء بالقضاء واجب، واللازم باطلٌ، لان الرضاء بالکفر کفرٌ لانّانقول: الکفر مقضیٌّ لا قضاء والرضاء انّمایجب بالقضاء دون المقضیِّ.

قال الامام عبد العزیز پرھاروی رحمه اللّٰه فی شرحه:

یرید انّ السؤال مغالطة من اشتباه القضاء بالمقضیِ،ولا شک انّ القضاء تکوین والکفر مکوّنٌ،والتکوین غیر المکوّنِ، والرضاء یجب بالمکوّن.

وقال الامام فضل الرسول بدایونی رحمه اللّٰه:

قال المخالف: لوکان الرضاء بالقضاء واجبالوجب الرضاء بالکفر، وھو باطلٌ اجماعا،لانّ الرضاء بالکفر کفر،واجیب بانّ للکفر نسبة الَی الله باعتبارِ فاعلیّته له، ونسبة الَی العبد باعتبار محّلیّته له واتّصافه به،فانکاره باعتبار النسبة الثانیّة دون الاُولٰی،والرضاء به باعتبار النسبة الاُولٰی دون الثانیة، والفرق ظاھر،اذ لایلزم من وجوب الرضاء بشیء باعتبار صدوره عن فاعله،وجوب الرضاء باعتبار وقوعه صفة لشیء .

مواقف،شرح المواقف،مسایرہ،مسامرہ وغیرہا کتب میں بھی اس کا جواب موجود ہے لیکن عبارات چونکہ ملتی جلتی ہیں اس لئے ہم انہی منقولہ عبارات پر اکتفا کرتے ہیں۔

اعتراض

اذا شاء ربّی الکفرَ منّی مشیئة
فھلْ انا عاص فی اتّباع المشیئة

جب میرا رب اپنی مرضی سے مجھ سے کفر کا تقاضا کر رہا ہے،تو کیا میں اس کی رضا کی اتباع کرنے کی وجہ سے گناہگار رہوں گا؟

توضیح اعتراض

اس اعتراض میں معترض نے اللہ تعالیٰ کی مشیت کی آڑ میں یہ مغالطہ دینے کی کوشش کی ہے کہ میں نے اللہ تعالیٰ کی رضا اور کفر کے مطالبے کے سبب ہی کفر اختیار کیا ہے اور اپنے آباء واجداد کے اسی قول کو دُہرایا ہے جس کو قرآنِ پاک نے صدیوں پہلے حکایت فرما دیا اور جواب بھی دے دیا چنانچہ اللہ تعالیٰ نے کفار ومشرکین کا قول حکایت کرتے ہوئے فرمایا:

سَیَقُوْلُ الَّذِیْنَ اَشْرَکُوْا لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَآ اَشْرَکْنَا وَ لَآ اٰبَآؤُنَا وَ لَا حَرَّمْنَا مِنْ شَیْءٍ. (سورۃ انعام،148)

ترجمہ کنز الایمان: اب کہیں گے مشرک کہ اللہ چاہتا تو نہ ہم شرک کرتے نہ ہمارے باپ دادا نہ ہم کچھ حرام ٹھہراتے۔

مشرکین کے کہنے کا مقصد یہ تھا کہ: ہم نے کفر وشرک بھی اللہ پاک کی مشیت اور رضا کے سبب اختیار کیا ہے۔

جواب

اذا شآء ربّی الکفر اللہ پاک کفر کو پسند نہیں فرماتا اور اپنے بندوں کے کفر کرنے کو بھی پسند نہیں فرماتا جیسا کہ قرآنِ پاک میں فرمایا:

"ولا یرضٰی لعبادہ الکفر". (زمر 7)

اور نہ ہی کفر اختیار کرنے کا حکم دیا ہے، بلکہ قرآنِ کریم میں جگہ جگہ اس کی ممانعت موجود ہے، تو معترض کا یہ کہنا کہ اللہ پاک نے اپنی رضا سے مجھ سے کفر کا مطالبہ کیا ہے یہ اللہ تعالیٰ پر صریح کذب اور بہتان ہے۔

مشیّت وارادہ اور رضا میں فرق ہے

مشیت اور رضا یہ دونوں ایک معنیٰ میں نہیں ہیں بلکہ ان کے الگ الگ معانی

ومطالب ہیں، ہم مشیّت ورضا میں فرق اوراس آیت کی تفسیر بیان کرتے ہیں:

چنانچہ امام سعدالدین مسعود بن عمر تفتازانی رحمہ اللہ ان کے معنٰی میں فرق بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: یعنی:

انّ الارادۃ والمشیئۃ والتقدیر یتعلّق بالکلّ،والرضاء والمحبۃ والامر لایتعلّق الّا بالحسن دون القبیح.

یعنی ارادہ ومشیّت اور تقدیر کا تعلق عالم کی تمام چیزوں سے ہے اور رضا ومحبت اور حکم کا تعلق صرف اچھی چیزوں کے ساتھ ہے بری چیزوں کے ساتھ نہیں۔

مذکورہ آیت کی تفسیر

امام المفسّرین امام فخرالدین رازی رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

وتقریرہ انّھم احتجّوُا فی دفعِ دعوۃ الانبیاء والرسل علٰی انفسھم بان قالوُا :کلُّ ما حصل فھو بمشیۃ اللہ تعالٰی واذا شاء اللہ منّا ذٰلک فکیف یمکننا ترکہ؟ واذا کنّا عاجزین عن ترکہ فکیف یامرنا بترکہ؟ وھل فی وسعنا وطاقتنا ان ناتی بفعل علٰی خلاف مشیۃ اللہ تعالٰی؟ فھذا حجّۃ الکفّار علَی الانبیاء فقال اللہ تعالٰی: قُل للہ الحجّۃ البالغۃ.وذٰلک بوجھینِ:

الوجہ الاوّل: انّہ تعالٰی اعطاکم عقولا کاملۃ و افھاما وافیۃ وآذانا سامعۃ و عیونا باصرۃ واقدرکم علٰی الخیر و الشرّ وازال الاعذار والموانع بالکلیّۃ عنکم فان شئتم ذھبتم الٰی عملِ الخیرات وان شئتم عمل المعاصی والمنکاراتِ وھذہ القدرۃ والمکنۃ معلومۃُ

الثبـوت بالضرورة و زوال الموانع والعوائق معلومة الثبوت ايضا بالضرورة واذا كان الامر كذٰلک كان ادّعـاء كم انّكم عاجزون عن الايمان والطاعة دعوٰى بـاطـلة فثبـت بـماذكرنا انّه ليس لكم علَى الله حجّة بالغة!لله الحجّة الباغلة عليكم.

الوجه الثانى: انّكم تقولون: لو كانت افعالنا واقعة علٰى خلاف مشية الله تعالٰى لكنّا قد غلبنا الله وقهرناه واتينا بـالـفـعل علٰى مضادّته ومخالفته و ذٰلک يوجب كونه عاجزا ضعيفا و ذٰلک يقدحُ فى كونه الٰها.

فـاجـاب تعالٰى عنه: بانّ العجز والضعف انّما يلزم اذا لم اكن قادرا على حملهم علَى الايمانِ والطاعة علٰى سبيـل الـقهـر والالـجـاءِ وانـا قـادرٌ علٰى ذٰلک وهو المراد من قوله) لو شآء اللهُ لهدٰيكم اجمعين (الّا انّى لا احـمـلـكـم علَى الايمان والطاعة علٰى سبيل القهرِ والالـجـاءِ لانّ ذٰلـكيبـطـل الـحـكـمة المطلوبة منَ التّكليف فثبت بهذا البيان انَّ الّذى يقولونه من انّا لو اتيـنـا بعمل علٰى خلاف مشية الله تعالٰى فانّه يلزم منه كونه تعالٰى عاجزا ضعيفا كلامٌ باطلٌ .

یعنی اور چنانچہ امام سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی رحمہ اللہ ان کے معنٰی میں فرق بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

يـعـنـى انّ الارادة والـمشيئة والتـقـديـر يتـعـلّق بـالكلّ،والرضاء والمحبة والامر لايتعلّق الّا بالحسن

دون القبیح.

یعنی ارادہ ومشیّت اور تقدیر کا تعلق عالم کی تمام چیزوں سے ہے، اور رضا ومحبت اور حکم کا تعلّق صرف اچھی چیزوں کے ساتھ ہے بری چیزوں کے ساتھ نہیں۔

اعتراض:

و ھل لی اختیارٌ ان اخالف حکمه
فبالله فاشفوُا بالبراھین غُلّتی

یعنی جب اللہ نے اپنی مشیت سے مجھ سے کفر کا مطالبہ کیا تو کیا میں اس کے حکم کی مخالفت کر سکتا ہوں؟ خدا کا واسطہ مجھے روشن دلائل سے جواب دے کر مجھے پریشانی کے مرض سے شفا دو۔

اعتراض کی وضاحت:

یہ اعتراض بھی سابقہ مشیت والا مغالطہ ہی ہے کہ اللہ پاک نے مجھ سے کفر کا مطالبہ کیا ہے اور اس کی مشیت میرے کفر ہی کا تقاضا کر رہی ہے تو میں اس کے حکم کی مخالفت کیسے کر سکتا ہوں؟ کیا اس کی مخالفت کی کوئی راہ ہے؟

جواب:

اس کا جواب گزر ہی چکا ہے کہ کفر کے مطالبہ پر معترض کے پاس کوئی دلیل نہیں کہ اللہ پاک نے کہیں کفر کا مطالبہ کیا ہو، بلکہ شدید انکار جگہ جگہ موجود ہے، اور نہ اللہ پاک کے کفر پر راضی ہونے پر اس کے پاس کوئی دلیل ہے۔ بلکہ اس کے برعکس کفر اختیار کرنے پر شدید ناراضگی کا ذکر جگہ جگہ موجود ہے۔ باقی مشیّت وارادہ اور رضا میں بھی موجود فرق بھی گزر چکا۔

تمّت بالخیر

●

تعارف

ادارہ فیضانِ اسلام

ادارہ فیضان اسلام دین اسلام کی سربلندی کے لیے کوشاں ہے۔اس ادارے کا مقصد دین اسلام کی سرحدوں پہ پہرا دینا اور احکام شرعیہ کو امت مسلمہ تک پہنچانا ہے۔اس فریضے کو سرانجام دینے کیلیے ادرہ ان شعبہ جات کے قیام کا عزم مصمم رکھتا ہے۔

[1] ردالحاد: اس شعبے کا مقصد میڈیا و غیرہ جدید ذرائع سے الحاد قلع قمع کرنا ہے۔

[2] رد بدمذہبیت: اس شعبے کے ذریعے اسلام کے عقائد کا تحفظ مقصود ہے۔

[3] جامعہ و مدرسہ: مدارس اسلام کا قلعہ ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مدنی دور شروع ہی مسجد و مدرسہ اصحاب صفہ سے ہوا۔لہذا اس ادارے کا ایک مقصد عظیم الشان مدرسہ کا قیام بھی ہے۔

[4] مجلس شرعی: اس مجلس کے قیام کا مقصد وقت کے جلیل القدر مفتیان عظام و فقہا کرام کے ذریعے امت مسلمہ کو درپیش مسائل کا حل مہیا کرنا ہے۔

دین کا درد رکھنے والے تمام اہل ثروت حضرات سے گزارش ہے کہ ادارے کے ان مقاصد میں ضرور تعاون فرما کر ثواب دارین حاصل کریں۔

Contact
0316-1621509